اردو زبان کی تدریس میں

طاغوتی ہتھکنڈوں کی شناخت

تالیف و تدوین:

سید جہانزیب عابدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

تعارف

اردو زبان برصغیر کی محض ایک ابلاغی زبان نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر تہذیبی، علمی، دینی اور فکری روایت کی امین ہے۔ اس زبان نے صدیوں سے برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت، علمی وراثت، اخلاقی اقدار، روحانی تصورات، ادبی ذوق اور تمدنی شعور کو محفوظ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اسی وجہ سے جب استعماری قوتوں نے برصغیر میں سیاسی غلبہ قائم کیا تو انہوں نے جلد ہی یہ حقیقت جان لی کہ کسی قوم کو دیرپا فکری اور تہذیبی طور پر مغلوب کرنے کے لیے صرف عسکری یا سیاسی اقتدار کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی زبان، نصاب، ادب، تاریخ اور علمی روایت کو بھی اپنے مقاصد کے مطابق تشکیل دینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اردو زبان اور خصوصاً اردو نصاب کو بھی مختلف براہِ راست اور بالواسطہ حکمتِ عملیوں کے ذریعے اس عمل کا حصہ بنایا گیا، جس کے اثرات آج بھی مختلف تعلیمی نظاموں، نصابی کتب اور تدریسی رجحانات میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

زیرِ نظر دستاویز اردو کی تدریس اور نصاب کا محض لسانی یا ادبی جائزہ پیش نہیں کرتی بلکہ اسے تہذیبی، فکری، نفسیاتی، تعلیمی اور استعماری تناظر میں ایک جامع مطالعے کے طور پر سامنے لاتی ہے۔ اس میں تاریخی شواہد، نوآبادیاتی تعلیمی

پالیسیوں، جدید نصابی نظریات، تنقیدی نصابی مطالعات، لسانی استعمار، پوشیدہ نصاب(Hidden Curriculum) ، تنقیدی خطابی تجزیہ Critical) (Discourse Analysisاور نو-استعماری رجحانات کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح نصاب صرف معلومات منتقل نہیں کرتا بلکہ انسان کے طرزِ فکر، اقدار، شناخت، ترجیحات اور اجتماعی شعور کی تشکیل بھی کرتا ہے۔ اسی لیے یہ دستاویز اردو نصاب میں موجود ان فکری بیانیوں اور خاموش رجحانات کی نشاندہی کرتی ہے جو رفتہ رفتہ طلبہ کی تہذیبی خود اعتمادی، دینی وابستگی، علمی مرکزیت اور اپنی روایت پر اعتماد کو متاثر کرتے ہیں۔

اس دستاویز میں برطانوی استعمار سے لے کر عصر حاضر کے نو-استعماری فکری رجحانات تک ایک مسلسل تاریخی اور نظریاتی سلسلہ قائم کیا گیا ہے، جس کے ذریعے یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ترقی، جدیدیت، انسان مرکزیت، فردیت، لسانی برتری، مادیت، قومی ریاست، سائنس میت، سیکولر تعبیرات اور دیگر جدید تصورات مختلف نصابی اسالیب کے ذریعے تدریجاً ذہن سازی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ رجحانات برصغیر کی

اسلامی تہذیب، اجتماعی اقدار، خاندانی نظام، روحانی فکر، اخلاقی تعلیمات اور اردو زبان کے تہذیبی کردار سے کہاں اور کس انداز میں متصادم ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ تحقیق محض تنقید پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ ایک مثبت اور تعمیری سمت بھی متعین کرتی ہے۔ اس میں اسلامی علمیات، توحیدی تصورِ علم، زبان کی تہذیبی مرکزیت، مقامی علمی روایت کی بحالی، تنقیدی مغرب شناسی، اخلاقی و روحانی ادب، اسلامائزڈ نصابی فریم ورک اور متوازن نصابی تشکیل جیسے موضوعات کی بنیاد پر ایک متبادل تعلیمی تصور بھی پیش کیا گیا ہے، تاکہ اردو کی تدریس محض ادبی ذوق پیدا کرنے کا ذریعہ نہ رہے بلکہ ایسی نسل کی تعمیر کا وسیلہ بنے جو اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنی دینی شناخت اور اپنی علمی خودمختاری پر اعتماد رکھتے ہوئے جدید دنیا سے بھی مثبت اور تنقیدی انداز میں تعامل کر سکے۔ اس اعتبار سے یہ دستاویز اردو زبان، نصاب، تعلیم، تہذیب اور استعمار کے باہمی تعلقات کو سمجھنے کے لیے ایک جامع فکری مطالعہ فراہم کرتی ہے اور اساتذہ، نصاب سازوں، محققین، طلبہ اور تعلیمی پالیسی مرتب کرنے والوں کے لیے غور و فکر کا ایک مؤثر علمی سرمایہ پیش کرتی ہے۔

پہلے حصے میں درج ذیل موضوعات بیان کیے جا رہے ہیں:

1. اردو زبان اور استعمار: تاریخی و نظریاتی پس منظر
2. برصغیر میں اردو نصاب کی تشکیل اور استعماری اثرات
3. نصابِ اردو میں استعماری بیانیوں کی بنیادی اقسام
4. یہ بیانیے برصغیری و اسلامی اقدار سے کیسے متصادم ہیں
5. ذہنی، تہذیبی اور دینی نقصانات
6. اسلامی متبادل کی بنیادیں

اردو زبان اور استعماریت: نظریاتی و تاریخی پس منظر

اردو زبان کو اگر صرف ایک ابلاغی وسیلہ سمجھا جائے تو اس کی تہذیبی اور فکری حیثیت کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ برصغیر میں اردو محض گفتگو کی زبان نہیں رہی بلکہ یہ صدیوں کے مذہبی، علمی، ثقافتی، روحانی اور تمدنی تعامل کا نتیجہ ہے۔ اس زبان نے مسلمانوں، ہندوؤں، صوفیاء، علماء، شعرا، درباری طبقات، عوامی حلقوں اور مختلف تہذیبی دھاروں کو ایک دوسرے سے جوڑا۔ اسی لیے اردو کو سمجھنے کے لیے اسے محض "language" کے طور پر نہیں بلکہ ایک "civilizational archive" کے طور پر دیکھنا ضروری ہے۔

اردو کے اندر صرف الفاظ نہیں بلکہ ایک پورا تہذیبی شعور محفوظ ہے۔ اس میں اسلامی فکر، صوفی روایت، اخلاقی تصورات، خاندانی اقدار، اجتماعی احساسات، مذہبی علامات، تاریخی یادداشت اور برصغیر کی مشترکہ نفسیات موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استعماری قوتوں نے جلد یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر برصغیر پر دیرپا فکری قبضہ قائم کرنا ہے تو صرف سیاسی اقتدار کافی نہیں ہو گا بلکہ زبان، نصاب، علم اور تہذیبی حافظے کو بھی تبدیل کرنا ہو گا۔

استعمار ہمیشہ صرف زمینوں پر قبضہ نہیں کرتا بلکہ ذہنوں، تصورات، اقدار اور علمی ڈھانچوں پر بھی قبضہ کرتا ہے۔ برطانوی استعمار نے برصغیر میں داخل ہونے کے بعد یہ محسوس کیا کہ مسلمانانِ ہند کی فکری و دینی شناخت بڑی حد تک اردو زبان کے ذریعے محفوظ ہے۔ یہی زبان مدارس، علمی حلقوں، ادبی مراکز، مذہبی مباحث، عوامی تعلیم اور تہذیبی شعور کی بنیاد بن چکی تھی۔ اس لیے استعمار نے اردو کو محض ایک linguistic system کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اسے ایک "تہذیبی طاقت" سمجھا۔

نظریاتی تناظر

نظریاتی اعتبار سے زبان کبھی غیر جانبدار نہیں ہوتی۔ ہر زبان اپنے اندر ایک worldview رکھتی ہے۔ زبان یہ طے کرتی ہے کہ انسان دنیا کو کس زاویے سے دیکھے گا، کن چیزوں کو اہم سمجھے گا، کن اقدار کو اپنائے گا اور کن تصورات کو "معمول" سمجھ لے گا۔ اسی لیے جدید لسانی و استعماری مطالعات میں زبان کو طاقت (Power Structure) کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

اردو زبان نے برصغیر میں:

- مذہبی شعور کو منتقل کیا،
- اسلامی اصطلاحات کو عام کیا،
- روحانی تصورات کو محفوظ رکھا،
- تہذیبی آداب کو فروغ دیا،
- اور مسلمانوں کی اجتماعی شناخت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

چنانچہ استعمار کے لیے اردو محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک مزاحمتی تہذیبی قوت تھی۔

زبان محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ "نظامِ معنی" (System of Meaning) ہے، اسی طرح اردو زبان بھی صرف لغوی یا ادبی وسیلہ نہیں

بلکہ برصغیر کی تہذیبی یادداشت، مذہبی شعور، تاریخی تجربے، اجتماعی نفسیات اور اسلامی-ہندی تمدنی تعامل کا حامل ایک مکمل تہذیبی نظام ہے۔

استعماری قوتوں نے جب برصغیر میں سیاسی قبضہ قائم کیا تو انہوں نے جلد یہ محسوس کر لیا کہ:

- کسی قوم کو مستقل طور پر مغلوب کرنے کے لیے
- اس کی زبان،
- علمی روایت،
- نصاب،
- تاریخ،
- اور تہذیبی حافظہ

کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔

اسی لیے برطانوی استعمار نے اردو کو صرف ایک زبان کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ ایک "تہذیبی طاقت" کے طور پر دیکھا جو مسلمانانِ ہند کے دینی، فکری اور تمدنی شعور کو محفوظ رکھتی تھی۔

برطانوی استعمار اور اردو:

برطانوی دور میں ابتدا میں اردو کو انتظامی اور عملی ضرورت کے طور پر استعمال کیا گیا۔ انگریز حکمرانوں کو مقامی آبادی سے رابطے کے لیے ایک ایسی زبان درکار تھی جو وسیع سطح پر سمجھی جاتی ہو۔ لیکن جلد ہی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ زبان کے ذریعے ذہنی تشکیل (Mental Formation) کی جاسکتی ہے۔

اسی مقصد کے تحت مختلف ادارے، پالیسیاں اور نصابی اصلاحات متعارف کروائی گئیں۔ ان میں سب سے اہم فورٹ ولیم کالج اور میکالے کی تعلیمی پالیسی تھی۔ ان اقدامات کا ظاہری مقصد تعلیم کی اصلاح تھا، لیکن درحقیقت یہ "colonial consciousness formation" یعنی استعماری ذہن سازی کے منصوبے تھے۔

فورٹ ولیم کالج اور لسانی انجینئرنگ:

فورٹ ولیم کالج 1800ء میں قائم کیا گیا۔ بظاہر اس کا مقصد برطانوی افسران کو مقامی زبانوں سے آشنا کرنا تھا، لیکن اس ادارے نے اردو نثر، ترجمہ، اور نصابی ادب کی نئی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

یہاں سے اردو کو ایک خاص انداز میں مرتب کیا جانے لگا:

- زبان کی نئی معیار بندی،

- مخصوص طرزِ نثر،
- منتخب ادبی متون،
- اور نئی علمی ترجیحات

آہستہ آہستہ اردو کے مزاج کو تبدیل کرنے لگیں۔

یہ محض ادبی عمل نہیں تھا بلکہ تہذیبی و فکری reconstruction کا حصہ تھا۔

برطانوی استعمار نے ابتدا میں اردو کو انتظامی ضرورت کے تحت استعمال کیا، مگر جلد ہی اسے "ذہنی تشکیل (Mental Formation) "کے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اہم نکات:

- فورٹ ولیم کالج(1800ء)
- میکالے کی تعلیمی پالیسی(1835ء)
- انگریزی تعلیم کی بالادستی
- اردو ادب کی نئی تدوین
- نصاب کے ذریعے نئی شناخت سازی

یہ تمام اقدامات صرف تعلیمی اصلاحات نہیں تھے بلکہ "استعماری ذہن سازی (Colonial Consciousness Formation)" کے منصوبے تھے۔

استعمار کا مقصد:

"ایسی جماعت پیدا کرنا تھا جو خون اور رنگ میں ہندوستانی ہو مگر فکر، اخلاق، ذوق اور عقل میں انگریز ہو"

یہی تصور بعد میں نصابِ اردو کے اندر بھی منتقل ہوا۔

میکالے کی تعلیمی پالیسی:

1835ء میں لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی نے برصغیر کے تعلیمی نظام کو بنیادی طور پر تبدیل کر دیا۔ میکالے کا مشہور مقصد یہ تھا کہ ایسی جماعت پیدا کی جائے:

"جو خون اور رنگ میں ہندوستانی ہو مگر فکر، ذوق، اخلاق اور عقل میں انگریز ہو۔"

یہ جملہ صرف تعلیمی پالیسی نہیں بلکہ پورے استعماری منصوبے کا خلاصہ تھا۔

اس پالیسی کے بعد:

- انگریزی علم کا معیار بن گئی،
- مقامی زبانیں ثانوی ہو گئیں،
- مغربی فکر کو "عقلیت" سمجھا جانے لگا،
- اور مقامی علمی روایت کو پسماندہ ظاہر کیا گیا۔

اردو نصاب بھی اسی ذہن سازی کا حصہ بن گیا۔

اردو نصاب کی استعماری تشکیل:

استعماری مطالعۂ نصاب (Colonial Curriculum Studies) کے مطابق نصاب کبھی غیر جانبدار نہیں ہوتا۔ نصاب صرف معلومات منتقل نہیں کرتا بلکہ:

- ذہنی زاویے بناتا ہے،
- اقدار منتقل کرتا ہے،
- ترجیحات پیدا کرتا ہے،
- اور identity formation کرتا ہے۔

برطانوی دور میں اردو نصاب کو اس طرح مرتب کیا گیا کہ مسلمان آہستہ آہستہ:

- اپنی تہذیبی مرکزیت کھو دیں،
- مغربی تہذیب کو ترقی کا معیار سمجھیں،
- دین کو نجی معاملہ تصور کریں،
- اور انگریزی علم کو "اصل علم" مان لیں۔

یہی وہ process تھا جسے بعد میں:

- Linguistic Colonialism
- Epistemological Domination
- Cultural Reconstruction

جیسے نام دیے گئے۔

نصاب کبھی غیر جانبدار نہیں ہوتا:

استعماری مطالعۂ نصاب (Colonial Curriculum Studies) کے مطابق:

نصاب صرف معلومات منتقل نہیں کرتا بلکہ انسان کی "دنیا کو دیکھنے کی عینک" بناتا ہے۔

برطانوی دور میں اردو نصاب کو اس انداز سے مرتب کیا گیا کہ:

- مسلمان اپنی تہذیبی مرکزیت کھو دیں
- دین کو نجی معاملہ سمجھیں
- مغربی تہذیب کو ترقی کا معیار مانیں
- انگریزی علم کو "اصل علم" سمجھیں
- اپنی روایت کو فرسودہ تصور کریں

اردو بطور تہذیبی حافظہ:

اردو زبان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت کو محفوظ رکھا۔ اس میں:

- قرآن و حدیث کی اصطلاحات،
- فارسی و عربی علمی روایت،
- صوفیانہ افکار،
- اخلاقی شعور،
- اور تہذیبی آداب

گہرائی سے شامل ہیں۔

اسی لیے اردو کی کمزوری محض ایک زبان کی کمزوری نہیں بلکہ:

تہذیبی حافظے کی کمزوری

ہے۔

استعمار کا اصل مقصد:

استعمار کا مقصد صرف حکومت کرنا نہیں تھا بلکہ ایسا ذہن پیدا کرنا تھا جو:

- اپنی روایت سے دور ہو،
- مغرب کو معیار سمجھے،
- انگریزی کو superior مانے،
- اور اپنی تہذیبی بنیادوں پر اعتماد کھو دے۔

یہی وجہ ہے کہ نصاب، زبان، تاریخ اور ادب کو خاص طور پر target کیا گیا۔

نصابِ اردو میں استعماری بیانیوں کی بنیادی اقسام:

اردو نصاب کا مسئلہ صرف یہ نہیں کہ اس میں چند مغربی تصورات شامل ہو گئے ہیں، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نصاب کے اندر ایسے فکری اور تہذیبی بیانیے آہستہ آہستہ داخل کیے گئے جنھوں نے طلبہ کے ذہن، شناخت، اقدار اور تہذیبی شعور کو متاثر کیا۔ یہ بیانیے ہمیشہ کھلے انداز میں سامنے نہیں آتے بلکہ اکثر خاموش، subtle اور normalized شکل میں نصاب کا حصہ بنتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے طلبہ اور اساتذہ ان اثرات کو محسوس بھی نہیں کر پاتے۔

استعماری نصاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ براہِ راست اپنی برتری کا اعلان نہیں کرتا بلکہ "ترقی"، "جدیدیت"، "علم"، "مہذب زندگی"، "عقلیت" اور "انسانی آزادی" جیسے خوشنما تصورات کے ذریعے اپنی فکری بنیادوں کو universal truth کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اردو نصاب میں بھی کئی بنیادی استعماری بیانیے اسی انداز سے سرایت کیے گئے۔

اب ہم ان بڑے استعماری بیانیوں کو دیکھتے ہیں جو مختلف اردو نصابات میں پائے جاتے ہیں۔

1۔ ترقی = مغرب

استعماری نصاب کا سب سے بنیادی اور طاقتور بیانیہ یہ ہے کہ ترقی کا واحد معیار مغرب ہے۔ اردو نصاب میں اکثر اس انداز سے مضامین، کہانیاں، کردار اور تاریخی تصورات پیش کیے جاتے ہیں کہ طالب علم کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ جائے کہ:

- مہذب معاشرہ وہی ہے جو مغربی طرز پر قائم ہو،
- جدید علم مغرب سے آیا،
- ترقی یافتہ قومیں مغرب میں ہیں،
- اور کامیابی کا راستہ مغربی ماڈل کی پیروی میں ہے۔

یہ بیانیہ صرف براہِ راست جملوں سے منتقل نہیں ہوتا بلکہ:

- مغربی سائنسدانوں کی غیر متوازن تمجید،
- یورپی معاشروں کی idealized تصویر،
- مقامی تہذیبوں کی کمزور representation ،
- اور "جدید" بمقابلہ "روایتی" تقسیم

کے ذریعے ذہن سازی کی جاتی ہے۔

اس کے نتیجے میں طلبہ آہستہ آہستہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ:

اپنی روایت = پسماندگی

مغربی ماڈل = ترقی

یہی احساس بعد میں تہذیبی احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔

مثالیں

- مغربی سائنسدانوں کی غیر متوازن تمجید

- یورپی معاشروں کی مثالی تصویر
- مقامی تہذیبوں کا کمتر تذکرہ
- "جدید" بمقابلہ "روایتی" تقسیم

برصغیری اقدار سے تصادم:

اردو نصاب میں موجود استعماری اور نو-استعماری بیانیے صرف چند تعلیمی یا ادبی تبدیلیاں نہیں بلکہ یہ برصغیر کی صدیوں پر محیط تہذیبی، مذہبی اور اخلاقی بنیادوں سے ایک گہرا تصادم رکھتے ہیں۔ برصغیر کی مسلم تہذیب ایک ایسے فکری اور روحانی نظام پر قائم تھی جس میں انسان کو محض مادی وجود نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اسے روح، اخلاق، خاندان، معاشرہ اور خدا کے ساتھ تعلق رکھنے والی ایک ہمہ جہتی ہستی تصور کیا جاتا تھا۔ یہاں علم صرف معاشی ترقی کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ انسان کی اصلاح، تہذیب، روحانی بالیدگی اور اجتماعی خیر کا وسیلہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح زبان صرف communication tool نہیں بلکہ تہذیبی حافظہ، مذہبی شعور اور اخلاقی اقدار کی حامل تھی۔

جب استعماری نصاب نے مغربی modernity کو ترقی کا واحد معیار بنا کر پیش کیا تو اس نے برصغیری تہذیب کی بنیادوں کو آہستہ آہستہ کمزور کرنا شروع

کر دیا۔ برصغیر کی تہذیب اجتماعیت پر قائم تھی۔ خاندان ایک بنیادی اکائی تھا جہاں صرف خون کا رشتہ نہیں بلکہ تربیت، احترام، ایثار، ذمہ داری اور روحانی تعلقات بھی موجود ہوتے تھے۔ بزرگ خاندان کے مرکز سمجھے جاتے تھے اور ان کے تجربے، حکمت اور دعاؤں کو اہمیت حاصل تھی۔ بچوں کی تربیت صرف اسکول کی ذمہ داری نہیں بلکہ پورے خاندان اور معاشرے کا مشترکہ عمل سمجھا جاتا تھا۔ مگر جدید استعماری و نو-استعماری نصاب نے آہستہ آہستہ individualism کو فروغ دیا، جس میں انسان کی اصل ترجیح اس کی ذاتی خواہش، ذاتی کامیابی اور personal fulfillment بن جاتی ہے۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں خاندانی مرکزیت کمزور ہونے لگتی ہے اور فرد اپنے اجتماعی و روحانی رشتوں سے کٹنے لگتا ہے۔

برصغیر کی تہذیب میں روحانیت ایک بنیادی عنصر تھی۔ یہاں مذہب محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کا مرکز تھا۔ بازار، تعلیم، سیاست، ادب، ثقافت، لباس، زبان اور روزمرہ تعلقات سب کسی نہ کسی درجے میں مذہبی و اخلاقی شعور سے جڑے ہوئے تھے۔ اردو ادب بھی اسی روحانی فضا کا عکاس تھا۔ کلاسیکی شاعری میں عشقِ حقیقی، اخلاق، تصوف، حیا، معرفت، انسان دوستی اور خداشناسی جیسے موضوعات نمایاں تھے۔ مگر جدید نصاب میں ادب کو

زیادہ تر جمالیات، جذبات یا تفریح تک محدود کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ادب کی روحانی اور اخلاقی جہت کمزور ہونے لگی اور طلبہ ادب کو انسان سازی کے بجائے صرف creative expression سمجھنے لگے۔

برصغیری معاشرے میں علم کو ہمیشہ اخلاق کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ ایک عالم یا استاد صرف معلومات دینے والا شخص نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ کردار سازی، تربیت اور تہذیب کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ علم کا مقصد انسان کو بہتر انسان بنانا تھا۔ مگر استعماری تعلیمی نظام نے علم کو آہستہ آہستہ utilitarian اور materialistic بنیادوں پر منتقل کر دیا۔ تعلیم کا مقصد ملازمت، معاشی کامیابی اور bureaucratic efficiency بن گیا۔ اس تبدیلی نے علم کی روحانی اور اخلاقی بنیاد کو کمزور کر دیا۔ نتیجتاً تعلیم انسان کی inner transformation کے بجائے صرف professional training بنتی چلی گئی۔

اسی طرح برصغیر کی تہذیب میں زبان عزت، شائستگی اور تہذیبی وقار کی علامت تھی۔ گفتگو کے انداز، الفاظ کے انتخاب، لہجے اور مخاطب کے احترام کو بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ اردو زبان کے اندر تہذیبی شائستگی، دینی اصطلاحات، اخلاقی علامات اور روحانی معانی گہرائی کے ساتھ موجود تھے۔ مگر

استعماری نظام نے linguistic hierarchy پیدا کرکے انگریزی کو prestige languageبنا دیا۔ آہستہ آہستہ اردو بولنے والا طبقہ خود کو کمتر محسوس کرنے لگا اور انگریزی بولنے والا طبقہ معاشرتی برتری کی علامت بن گیا۔ یہ صرف زبان کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ تہذیبی اعتماد کی کمزوری تھی۔ جب کوئی قوم اپنی زبان پر اعتماد کھو دیتی ہے تو دراصل وہ اپنی تاریخ، یادداشت اور شناخت سے دور ہونے لگتی ہے۔

برصغیری اقدار میں حیا، سادگی، اجتماعیت اور اخلاقی وقار کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ زندگی کو محض consumption اور entertainment کے زاویے سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ مگر جدید نو-استعماری بیانیے نے consumer culture، material successاور glamorous lifestyleکو ideal بنا دیا۔ نصابی کہانیوں، میڈیا imagery اور جدید شہری culture کے ذریعے طلبہ کے ذہن میں یہ تصور پیدا کیا گیا کہ کامیاب زندگی وہ ہے جو زیادہ مادی آسائشوں، زیادہ consumption اور زیادہ westernized lifestyleپر مشتمل ہو۔ اس کے نتیجے میں روحانی سکون، قناعت، خاندانی تعلقات اور سادہ زندگی کی اقدار کمزور ہونے لگیں۔

اسی طرح برصغیر میں مذہب اور تہذیب ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔ دین صرف مسجد تک محدود نہیں تھا بلکہ پورا معاشرہ مذہبی اخلاقیات سے متاثر تھا۔ مگر سیکولر نصاب نے آہستہ آہستہ مذہب کو private sphere تک محدود کرنا شروع کر دیا۔ اس تصور کے مطابق عبادات اور شخصی عقائد تو مذہب کا حصہ ہیں، لیکن سیاست، معیشت، علم، سماج اور تہذیب سیکولر اصولوں پر چلیں گے۔ یہ تقسیم برصغیری اسلامی روایت سے براہِ راست متصادم تھی کیونکہ یہاں دین کو مکمل نظامِ حیات سمجھا جاتا تھا۔

استعماری بیانیوں اور برصغیری اقدار کے اس تصادم کا سب سے بڑا نتیجہ تہذیبی fragmentation کی صورت میں سامنے آیا۔ نئ نسل ایک طرف مغربی modernity سے متاثر ہوئی اور دوسری طرف اپنی روایت سے مکمل تعلق بھی ختم نہ کر سکی۔ نتیجتاً ایک psychological duality پیدا ہو گئی جہاں انسان نہ مکمل طور پر اپنی تہذیب میں مطمئن رہتا ہے اور نہ مکمل طور پر مغربی تہذیب کا حصہ بن پاتا ہے۔ یہی کیفیت identity crisis کو جنم دیتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس بحران کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اس کی فطری، روحانی اور اخلاقی بنیادوں سے کاٹ دیا گیا ہے۔ اسلام انسان کو

صرف biological entity یا economic being نہیں سمجھتا بلکہ اسے روح، عقل، اخلاق اور مقصد رکھنے والی مخلوق قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اسلامی تہذیب میں علم، ادب، زبان، معیشت اور سیاست سب اخلاقی و روحانی اصولوں سے جڑے ہوتے ہیں۔ جب نصاب ان بنیادوں سے دور ہو جاتا ہے تو تہذیب بھی اپنی اصل معنویت کھونے لگتی ہے۔

برصغیری اقدار اور استعماری نصاب کے اس تصادم کو صرف "روایت بمقابلہ جدیدیت" کے سادہ مسئلے کے طور پر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ دراصل دو مختلف انسان تصورات، دو مختلف علمیات اور دو مختلف تہذیبی visions کے درمیان کشمکش ہے۔ ایک تصور انسان کو خدا، اخلاق اور روحانیت سے جڑا ہوا دیکھتا ہے جبکہ دوسرا اسے self-centered ، materialistic اور purely rational being میں تبدیل کرتا ہے۔ اردو نصاب اسی کشمکش کا ایک اہم میدان بن چکا ہے۔

برصغیر کی تہذیب:

- اجتماعیت،
- روحانیت،

- خاندانی نظام،
- اخلاق،
- ادب،
- حیا،
- بڑوں کے احترام،
- اور مذہبی مرکزیت

پر قائم تھی۔

جب نصاب مغرب کو "ترقی کا واحد ماڈل" بنا دیتا ہے تو:

- مقامی تہذیب احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔
- نوجوان اپنی روایت سے نفسیاتی دوری اختیار کرتے ہیں۔
- تہذیبی خود اعتمادی کمزور ہو جاتی ہے۔

اسلامی متبادل:

اسلام ترقی کو صرف:

- مادی ترقی،
- معاشی طاقت،

- یا ٹیکنالوجی

تک محدود نہیں کرتا۔

بلکہ:

- عدل،
- تزکیہ،
- اخلاق،
- علمِ نافع،
- معاشرتی توازن،
- اور بندگیِ الٰہی

کو ترقی کا حصہ سمجھتا ہے۔

قرآنی تصور میں "فلاح" صرف اقتصادی کامیابی نہیں بلکہ ہمہ جہتی انسانی کامیابی ہے۔

2۔ سیکولر انسان مرکزیت (Human-Centered Worldview)

استعماری بیانیہ:

اردو نصاب میں موجود اہم استعماری و نو-استعماری رجحانات میں سے ایک "سیکولر انسان مرکزیت" ہے، جس کے تحت انسان کو کائنات کا مطلق مرکز، حقیقت کا آخری معیار اور اپنی زندگی کا خود مختار قانون ساز بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تصور جدید مغربی Humanism ، Secularism اور Liberal Individualism سے پیدا ہوا، جس نے آہستہ آہستہ مذہب، وحی، روحانیت اور خدا مرکزیت کو انسانی زندگی کے مرکزی دائرے سے باہر منتقل کر دیا۔ اس فکر کے مطابق انسان اپنی عقل، خواہش، تجربے اور ذاتی انتخاب کی بنیاد پر یہ طے کر سکتا ہے کہ کیا صحیح ہے، کیا غلط ہے، کیا اخلاقی ہے اور کیا غیر اخلاقی۔ اس پورے تصور میں خدا، وحی، آخرت اور الٰہی ہدایت کو یا تو نجی معاملہ بنا دیا جاتا ہے یا انسانی زندگی کے اجتماعی نظام سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

اردو نصاب میں یہ بیانیہ ہمیشہ براہِ راست مذہب کی مخالفت کی صورت میں سامنے نہیں آتا بلکہ زیادہ subtle انداز میں داخل ہوتا ہے۔ مختلف کہانیوں، مضامین، اسباق اور کرداروں کے ذریعے انسان کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہی مقصدِ کائنات ہو۔ کامیابی کو ذاتی خواہشات کی تکمیل، معاشی ترقی، career achievement اور personal freedom کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ مذہب کو اکثر محض اخلاقی نصیحت یا ذاتی عبادات تک محدود

دکھایا جاتا ہے جبکہ زندگی کے عملی شعبے جیسے سیاست، معیشت، علم، نفسیات، سماجیات اور تہذیب کو سیکولر بنیادوں پر explain کیا جاتا ہے۔

اس نصابی فضا میں طالب علم آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ دین صرف مسجد، عبادت یا شخصی عقائد تک محدود ہے، جبکہ "حقیقی دنیا" عقل، سائنس، مارکیٹ، فردی آزادی اور انسانی خواہشات کے اصولوں پر چلتی ہے۔ اس طرح مذہب اور دنیا کے درمیان ایک مصنوعی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ اسلامی تہذیب میں یہ تقسیم کبھی موجود نہیں تھی۔

سیکولر انسان مرکزیت کے اثرات صرف نظریاتی نہیں بلکہ نفسیاتی بھی ہوتے ہیں۔ جب انسان کو مسلسل یہ بتایا جائے کہ اس کی خواہشات ہی اس کی اصل حقیقت ہیں اور اس کی ذاتی آزادی سب سے بڑی قدر ہے تو وہ آہستہ آہستہ اجتماعی ذمہ داری، روحانی احتساب اور اخلاقی حدود سے دور ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سیکولر نصاب اکثر انسان کو "consumer"، "self-project" یا "independent individual" کے طور پر تشکیل دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان اپنی روحانی بنیادوں سے کٹنے لگتا ہے اور زندگی کا مقصد صرف ذاتی کامیابی، comfort اور self-expression بن جاتا ہے۔

یہ بیانیہ مغربی Enlightenment کے بعد پیدا ہونے والے اس تصور سے جڑا ہوا ہے جس میں عقل کو وحی پر فوقیت دی گئی اور انسان کو خود اپنی تقدیر کا معمار سمجھا گیا۔ اس فکر نے ابتدا میں کلیسا کے جبر کے خلاف ردِ عمل کے طور پر جنم لیا، لیکن بعد میں اس نے خدا اور مذہب کو اجتماعی زندگی سے الگ کر کے ایک ایسی تہذیب پیدا کی جس میں انسان خود ہی قانون ساز، اخلاق ساز اور حقیقت کا معیار بن گیا۔ یہی تصور بعد میں جدید تعلیم، سیاست، میڈیا اور نصاب کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلایا گیا۔

اردو نصاب میں اس بیانیے کی موجودگی کئی صورتوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے نصابی اسباق میں کامیاب انسان وہ دکھایا جاتا ہے جو اپنی ذاتی محنت اور عقل کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل کرے، مگر اس کی روحانی وابستگی، خدا شناسی یا اخلاقی مرکزیت پر کم توجہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح آزادی کو اکثر "کسی بیرونی پابندی سے نجات" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اسلامی تصور میں آزادی کا مطلب نفس، ظلم اور گناہ کی غلامی سے نجات بھی ہے۔

یہ استعماری بیانیہ برصغیری اسلامی اقدار سے گہرا تصادم رکھتا ہے، کیونکہ اسلامی تہذیب میں انسان کو کبھی مطلق خودمختار نہیں سمجھا گیا۔ اسلام کے

مطابق انسان اللہ کا بندہ، خلیفہ اور امانت دار ہے۔ اس کی آزادی مکمل بے قیدی نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اسلام انسان کو عزت دیتا ہے، مگر اس عزت کی بنیاد خدا سے تعلق، تقویٰ اور اخلاقی شعور پر رکھتا ہے، نہ کہ صرف خواہشات کی تکمیل پر۔

اسلامی تصورِ انسان میں عقل اہم ہے، مگر عقل وحی سے منقطع نہیں۔ اسی طرح خواہشات انسانی فطرت کا حصہ ہیں، مگر انہیں اخلاقی حدود کے اندر رکھا جاتا ہے۔ اسلام کے مطابق انسان کی اصل کامیابی صرف دنیاوی comfort یا material achievement نہیں بلکہ فلاح ہے، جس میں روحانی سکون، اخلاقی پاکیزگی، عدل، بندگیٔ الٰہی اور آخرت کی کامیابی شامل ہے۔

سیکولر انسان مرکزیت کا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ یہ اخلاق کو نسبتی (Relative) بنا دیتی ہے۔ اگر انسان خود ہی حق و باطل کا معیار بن جائے تو پھر ہر فرد اپنی خواہشات اور preferences کو حق قرار دے سکتا ہے۔ اس صورت میں کوئی مستقل اخلاقی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ جدید دنیا میں اخلاقی confusion، identity crisis، existential anxiety اور spiritual emptiness تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ انسان ظاہری طور

پر زیادہ آزاد دکھائی دیتا ہے مگر باطنی طور پر زیادہ بے سکون، fragmented اور spiritually disconnected ہوتا جارہا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر اس کے برعکس انسان کو ایک متوازن وجود کے طور پر دیکھتا ہے جس میں روح، عقل، جسم، اخلاق اور معاشرتی ذمہ داری سب شامل ہیں۔ اسلام نہ انسان کو فرشتہ بناتا ہے اور نہ محض حیوانی خواہشات کا مجموعہ سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ انسان کو ایک ایسی مخلوق سمجھتا ہے جسے خدا نے عزت دی، مقصد دیا، اخلاقی ذمہ داری دی اور ہدایت بھی عطا کی۔

اسی لیے اسلامی تہذیب میں علم کا مقصد صرف information transfer نہیں بلکہ انسان کی inner transformation تھا۔ تعلیم انسان کو صرف professional نہیں بلکہ اخلاقی، روحانی اور تہذیبی طور پر mature بناتی تھی۔ اردو زبان اور اس کا کلاسیکی ادب بھی اسی انسان تصور کا حامل تھا۔ اقبال، رومی، حالی، شبلی اور دیگر مفکرین انسان کو خدا سے جڑی ہوئی، اخلاقی اور روحانی ہستی کے طور پر پیش کرتے ہیں، نہ کہ محض self-centered individual کے طور پر۔

اردو نصاب میں سیکولر انسان مرکزیت کی موجودگی دراصل ایک وسیع تہذیبی تبدیلی کا حصہ ہے جس میں انسان کو خدا مرکز کائنات سے نکال کر

self-centered universe کا محور بنایا جا رہا ہے۔ یہ تبدیلی صرف فکری نہیں بلکہ تہذیبی، نفسیاتی اور اخلاقی نتائج بھی پیدا کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی نسل اپنی روحانی بنیادوں، دینی شعور اور اجتماعی ذمہ داری سے آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی متبادل اس کے برعکس ایک ایسے نصاب کا مطالبہ کرتا ہے جو انسان کو خدا سے مربوط، اخلاقی طور پر ذمہ دار، روحانی طور پر زندہ اور تہذیبی طور پر باوقار ہستی کے طور پر تشکیل دے۔ ایسا نصاب انسان کی عقل کو بھی اہمیت دے، سائنس کو بھی سمجھے، جدید دنیا سے بھی engage کرے، مگر ساتھ ہی وحی، اخلاق، فطرت اور روحانی حقیقت کو انسانی زندگی کے مرکز میں برقرار رکھے۔

بعض اردو نصابات میں انسانی زندگی کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ:

- انسان خود مقصدِ کائنات ہے
- مذہب نجی معاملہ ہے
- کامیابی = ذاتی خواہشات کی تکمیل
- اخلاق = سماجی معاہدہ

- حقیقت = صرف مادی دنیا

یہ بیانیہ براہِ راست مغربی ہیومنزم سے متاثر ہے۔

اسلامی و برصغیری تصادم:

اسلامی تہذیب میں:

- انسان "عبد" ہے، مطلق خودمختار نہیں۔
- علم کا مقصد بندگی اور اصلاح ہے۔
- زندگی کا مقصد صرف دنیاوی کامیابی نہیں۔

جب نصاب خالق کو حذف کر کے صرف انسان کو مرکز بناتا ہے تو:

- روحانی خلا پیدا ہوتا ہے
- وجودی بحران بڑھتا ہے
- مادیت غالب ہو جاتی ہے
- دین عملی زندگی سے الگ ہو جاتا ہے

3۔ زبان کے ذریعے احساسِ کمتری:

استعماری بیانیہ:

استعمار کا سب سے طاقتور اور دیرپا ہتھیار صرف فوجی یا سیاسی غلبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ذہنی اور نفسیاتی غلبہ ہوتا ہے جو زبان کے ذریعے قائم کیا جاتا ہے۔ برصغیر میں برطانوی استعمار نے جلد یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر مقامی آبادی کو طویل مدت تک فکری طور پر مغلوب رکھنا ہے تو صرف حکومت کافی نہیں بلکہ ان کے ذہنوں میں ایک ایسی لسانی hierarchy پیدا کرنا ضروری ہے جس میں انگریزی کو برتری، ذہانت، مہذبیت اور ترقی کی علامت بنا دیا جائے، جبکہ مقامی زبانوں کو کم تر، غیر سائنسی اور محدود حیثیت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار نے تعلیمی نظام، نصاب، سرکاری اداروں، عدالتی ڈھانچے اور سماجی prestige کے پورے نظام کو انگریزی زبان کے ساتھ جوڑ دیا۔

اردو نصاب بظاہر اردو کی تدریس کرتا ہے، مگر پورا تعلیمی ماحول خاموشی سے یہ پیغام منتقل کرتا رہتا ہے کہ اصل کامیابی انگریزی کے ذریعے حاصل ہوگی۔ طالب علم کو بچپن سے یہ محسوس کروایا جاتا ہے کہ انگریزی بولنے والا شخص زیادہ intelligent، زیادہ civilized، زیادہ modern اور زیادہ capable ہے، جبکہ اردو بولنے والا شخص کم تر سماجی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عمل کو ہمیشہ براہِ راست الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا بلکہ یہ hidden

classroom culture ،institutional behavior، curriculum اور social prestige کے ذریعے آہستہ آہستہ ذہن میں منتقل ہوتا ہے۔

بہت سے تعلیمی اداروں میں انگریزی بولنے کو confidence اور superiority کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر طلبہ کو اردو بولنے پر شرمندگی محسوس کروائی جاتی ہے یا انگریزی کو "standard language" اور اردو کو محض گھریلو یا ثانوی زبان کے طور پر treat کیا جاتا ہے۔ یہ رویہ صرف لسانی preference نہیں بلکہ ایک گہرا استعماری ذہنی ڈھانچہ ہے جسے "Linguistic Colonialism" کہا جاتا ہے۔

استعمار ہمیشہ dominant language کو صرف communication tool کے طور پر استعمال نہیں کرتا بلکہ اسے power structure میں تبدیل کر دیتا ہے۔ انگریزی زبان کو برصغیر میں صرف ایک علمی زبان کے طور پر متعارف نہیں کروایا گیا بلکہ اسے اقتدار، ملازمت، سماجی وقار، علمی رسائی اور تہذیبی برتری کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ نتیجتاً اردو اور دیگر مقامی زبانیں آہستہ آہستہ lower status languages میں تبدیل ہونے لگیں۔

اس استعماری عمل کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ آہستہ آہستہ مقامی آبادی خود اپنی زبان کو کمتر سمجھنے لگتی ہے۔ جب کوئی قوم اپنی زبان کے بارے

میں احساسِ شرمندگی محسوس کرنے لگے تو دراصل وہ اپنی تہذیبی بنیادوں سے دور ہونے لگتی ہے۔ زبان صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اس میں قوم کی تاریخ، یادداشت، مذہبی شعور، تہذیبی اقدار، اجتماعی احساسات اور فکری روایت محفوظ ہوتی ہے۔ لہٰذا زبان کی کمزوری دراصل تہذیبی حافظے کی کمزوری ہوتی ہے۔

اردو نصاب اور تعلیمی ماحول میں یہ احساسِ کمتری کئی سطحوں پر پیدا کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اعلیٰ تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، بین الاقوامی تعلقات اور professional success کو تقریباً مکمل طور پر انگریزی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اردو کو اکثر "soft subject" یا محض امتحان پاس کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں طلبہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اردو ادب، تہذیب اور فکری روایت practical life میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ perception آہستہ آہستہ linguistic inferiority complex پیدا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے والدین اپنے بچوں کو اردو سکھانے کے بجائے صرف انگریزی پر زور دیتے ہیں۔ بعض گھروں میں بچے اگر اردو میں بات کریں تو انہیں "less polished" سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح ایک پوری نسل اپنی

مادری زبان اور تہذیبی roots سے نفسیاتی دوری اختیار کرنے لگتی ہے۔ یہ صرف لسانی تبدیلی نہیں بلکہ identity transformation ہے۔

استعماری ذہن سازی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انگریزی کو "عقل" اور اردو کو "جذبات" کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ سائنسی علم، فلسفہ، تحقیق، academic discourseاور modernity کو انگریزی سے وابستہ کر دیا جاتا ہے جبکہ اردو کو شاعری، ادب یا گھریلو گفتگو تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد یہ احساس پیدا کرنا ہے کہ intellectual superiority مغرب اور اس کی زبان کے پاس ہے۔ یہی "Epistemic Domination" ہے، یعنی علم کی مرکزیت کو ایک خاص تہذیب اور زبان کے ہاتھ میں منتقل کر دینا۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں زبان کو کبھی برتری یا نسلی superiority کا معیار نہیں بنایا گیا تھا۔ اسلامی تہذیب میں عربی کو قرآن کی زبان ہونے کے سبب دینی اہمیت ضرور حاصل تھی، مگر علمی و تہذیبی سطح پر مختلف زبانوں کو فروغ ملا۔ فارسی، ترکی، اردو، پشتو، ملیالم، سواحلی اور دیگر زبانوں میں عظیم علمی، ادبی اور فکری سرمایہ پیدا ہوا۔ اسلامی تاریخ میں کسی زبان کو "کم تر

انسان" کی علامت نہیں سمجھا گیا بلکہ زبان کو تہذیبی diversity اور انسانی شناخت کی نشانی تصور کیا گیا۔

قرآن مجید بھی زبانوں کے تنوع کو اللہ کی نشانی قرار دیتا ہے۔ اس اسلامی تصور کے مطابق ہر زبان اپنے اندر ایک تہذیبی شعور، تاریخی تجربہ اور انسانی احساسات رکھتی ہے۔ اس لیے کسی زبان کو محض اس بنیاد پر inferior قرار دینا کہ وہ عالمی طاقت کی زبان نہیں، ایک تہذیبی ناانصافی ہے۔

اردو زبان کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی یادداشت، مذہبی اصطلاحات، تہذیبی شائستگی، روحانی روایت اور ادبی شعور کو محفوظ رکھا۔ اردو صرف communication system نہیں بلکہ ایک تہذیبی archive ہے۔ اس زبان میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، فلسفہ، شاعری، تاریخ، اخلاق اور اجتماعی شعور کی پوری دنیا محفوظ ہے۔ جب اردو کمزور ہوتی ہے تو دراصل یہ پورا تہذیبی سرمایہ بھی کمزور ہونے لگتا ہے۔

استعماری نظام کا ایک بڑا مقصد یہی تھا کہ مقامی آبادی کو اپنی زبان سے دور کر دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنی تہذیب اور علمی روایت سے بھی دور ہو جائے۔ کیونکہ جو قوم اپنی زبان کھو دیتی ہے وہ اکثر اپنی تہذیبی خودمختاری

بھی کھو دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بہت سے decolonial مفکرین نے زبان کو آزادی کی جدوجہد کا بنیادی حصہ قرار دیا ہے۔

اردو نصاب میں اس احساسِ کمتری کے نتیجے میں معاشرے میں دو واضح طبقات پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو انگریزی کے ذریعے اقتدار، وسائل، confidenceاور academic access حاصل کرتا ہے، اور دوسرا وہ طبقہ جو اردو کے ساتھ جڑا رہنے کے باوجود احساسِ محرومی اور محدود مواقع کا شکار رہتا ہے۔ یہ linguistic divide صرف تعلیمی مسئلہ نہیں بلکہ سماجی، معاشی اور تہذیبی تقسیم بھی پیدا کرتا ہے۔

اس صورتحال کا اسلامی و تہذیبی متبادل یہ نہیں کہ انگریزی یا دیگر زبانوں کی مخالفت کی جائے، بلکہ اصل ضرورت یہ ہے کہ اردو اور مقامی زبانوں کو دوبارہ علمی وقار، فکری مرکزیت اور تہذیبی اعتماد دیا جائے۔ اسلام علم کے حصول کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہو، مگر ساتھ ہی اپنی تہذیبی اور لسانی شناخت کو محفوظ رکھنے پر بھی زور دیتا ہے۔ ایک متوازن اسلامی نقطۂ نظر یہ ہو گا کہ انسان عالمی زبانیں بھی سیکھے، جدید علوم سے بھی واقف ہو، مگر اپنی زبان کو inferior نہ سمجھے اور اپنی تہذیبی بنیادوں سے منقطع نہ ہو۔

اردو نصاب کو اس انداز میں reconstruct کرنے کی ضرورت ہے کہ طلبہ اردو کو صرف امتحانی مضمون نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنی تہذیبی شناخت، فکری آزادی اور علمی خودمختاری کا ذریعہ محسوس کریں۔ جب تک زبان کو عزت، علم اور اقتدار کے نظام سے دوبارہ نہیں جوڑا جائے گا، تب تک ذہنی استعمار کی زنجیریں مکمل طور پر نہیں ٹوٹ سکیں گی۔

اردو نصاب اور تعلیمی ماحول میں اکثر یہ پیغام پوشیدہ ہوتا ہے کہ:

- انگریزی = ذہانت
- انگریزی = مہذب ہونا
- انگریزی = ترقی
- اردو = کم تر طبقہ

یہی وہ چیز ہے جسے آپ کی فراہم کردہ دستاویز میں "Linguistic Hierarchy" کہا گیا ہے۔

نتائج:

اس سے:

- لسانی طبقاتی نظام پیدا ہوتا ہے
- اردو بولنے والا احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتا ہے
- علم صرف elite طبقے تک محدود ہو جاتا ہے
- ذہنی غلامی پیدا ہوتی ہے

اسلامی متبادل:

اسلام زبان کو فضیلت کا معیار نہیں بناتا۔

قرآن کے مطابق:

زبانیں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اسلامی تہذیب میں:

- عربی،
- فارسی،
- ترکی،
- اردو،
- پشتو،
- ملیالم،

- سواحلی

سب زبانوں میں علم پیدا ہوا۔

لہٰذا اسلامی ماڈل "لسانی تنوع + علمی خود مختاری" پر قائم ہے، نہ کہ لسانی استعمار پر۔

4۔ مقامی تاریخ اور علمی روایت کی حذف کاری:

استعماری بیانیہ:

استعمار کا ایک بنیادی مقصد صرف سیاسی اقتدار حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس قوم کی تاریخی یادداشت، علمی روایت اور تہذیبی شعور کو بھی تبدیل کرنا چاہتا ہے جس پر وہ غلبہ حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک مکمل طور پر مغلوب نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی تاریخ، اپنے علمی سرمایہ اور اپنی تہذیبی عظمت پر اعتماد رکھتی ہو۔ اسی لیے برطانوی استعمار نے برصغیر میں صرف حکومت قائم نہیں کی بلکہ ایک ایسا تعلیمی اور نصابی نظام بھی تشکیل دیا جس کے ذریعے مقامی علمی روایت کو آہستہ آہستہ کمزور، غیر مؤثر اور غیر مرکزی بنا دیا گیا۔

اردو نصاب میں یہ عمل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ نصابی کتب میں اکثر مغربی مفکرین، یورپی سائنسی ترقی، جدید مغربی فلسفے اور colonial modernity کو intellectual centrality دی جاتی ہے، جبکہ برصغیر کی اسلامی علمی روایت، مقامی مفکرین، علماء، محدثین، صوفیاء، مسلم سائنسدانوں اور تہذیبی شخصیات کو یا تو محدود انداز میں شامل کیا جاتا ہے یا انہیں محض تاریخی کرداروں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم کے ذہن میں آہستہ آہستہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ اصل علم، اصل فلسفہ، اصل سائنس اور اصل intellectual progress مغرب میں پیدا ہوئی، جبکہ ہماری تہذیب محض روایتی یا جذباتی نوعیت کی تھی۔

یہی وہ process ہے جسے "Epistemic Colonization" کہا جاتا ہے، یعنی علم کی مرکزیت کو ایک خاص تہذیب کے ہاتھ میں منتقل کر دینا۔ استعمار یہ کوشش کرتا ہے کہ مغلوب قوم اپنی علمی روایت کو outdated اور غیر relevant سمجھنے لگے۔ جب ایک طالب علم اپنی نصابی زندگی میں بار بار مغربی مفکرین، مغربی ماڈلز اور مغربی تہذیب کو ترقی کا مرکز دیکھتا ہے جبکہ اپنی تہذیب کی علمی شخصیات کو ثانوی حیثیت میں پاتا ہے تو اس کے ذہن میں غیر شعوری طور پر ایک علمی احساسِ کمتری پیدا ہونے لگتا ہے۔

اردو نصاب میں اس حذف کاری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اسلامی علمی روایت کو اکثر صرف مذہبی یا مدرسہ تک محدود علم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلامی تہذیب کی علمی روایت نہایت وسیع، متنوع اور بین الاذہانی (interdisciplinary) تھی۔ مسلمانوں نے فلسفہ، طب، فلکیات، ریاضی، نفسیات، عمرانیات، تاریخ، لسانیات، اخلاقیات اور سیاسیات جیسے علوم میں گہرا کام کیا۔ مگر جدید نصابی بیانیہ اکثر یہ impression دیتا ہے کہ سائنس، rationality اور modern thought صرف مغرب کی پیداوار ہیں۔

اس حذف کاری کے نتیجے میں طلبہ اپنی تہذیبی continuity سے کٹنے لگتے ہیں۔ انہیں اپنی علمی روایت fragmented اور غیر مؤثر محسوس ہونے لگتی ہے۔ جب کسی قوم کی نئی نسل اپنے ماضی سے علمی تعلق کھو دیتی ہے تو وہ تہذیبی طور پر dependent ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ہر intellectual solution مغرب سے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے، کیونکہ اس کے ذہن میں یہ تصور بیٹھ چکا ہوتا ہے کہ "اصل علم" وہیں موجود ہے۔

یہ صورتحال صرف علمی نہیں بلکہ نفسیاتی بھی ہے۔ جب ایک طالب علم ابن سینا، امام غزالی، شاہ ولی اللہ، ابن خلدون، رومی، شبلی، اقبال اور دیگر مسلم

مفکرین کے فکری کارناموں سے ناواقف رہتا ہے تو اس کے ذہن میں اپنی تہذیب کے بارے میں احساسِ فخر پیدا نہیں ہو پاتا۔ وہ اپنی تاریخ کو صرف سیاسی زوال، جذباتی مذہبیت یا ماضی پرستی کے زاویے سے دیکھنے لگتا ہے۔ یہی وہ نفسیاتی کیفیت ہے جسے استعمار پیدا کرنا چاہتا تھا تاکہ مغلوب قوم intellectually dependent رہے۔

استعماری نصاب کی ایک اور اہم حکمت عملی selective inclusion اور selective exclusion ہوتی ہے۔ یعنی کچھ چیزوں کو شعوری طور پر شامل کیا جاتا ہے اور کچھ چیزوں کو شعوری طور پر غائب رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اسلامی تہذیب کا ذکر بھی کیا جائے تو اکثر اسے صرف مذہبی یا روحانی پہلو تک محدود کر دیا جاتا ہے، جبکہ اس کی سائنسی، فلسفیانہ، سماجی اور فکری contributions کو نمایاں نہیں کیا جاتا۔ دوسری طرف مغربی تاریخ کو progress، enlightenment اور rationality کی تاریخ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اس عمل کے ذریعے ایک hidden hierarchy پیدا ہوتی ہے:

- مغرب = علم و ترقی
- مشرق = روایت و جذبات

یہ binary آہستہ آہستہ طلبہ کے ذہن میں internalize ہو جاتی ہے۔ برصغیر کی اسلامی علمی روایت کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں علم کو صرف information نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ wisdom ، ethicsاور spiritualityکے ساتھ جوڑا جاتا تھا۔ امام غزالی کے ہاں علم کا مقصد انسان کی inner purification بھی ہے۔ ابن خلدون صرف historian نہیں بلکہ sociology اور civilization studies کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صرف مذہبی عالم نہیں بلکہ social reformer ، philosopherاور civilization thinker بھی تھے۔ اقبال صرف شاعر نہیں بلکہ modernity ، selfhood، امت، روحانیت اور استعمار پر گہری فلسفیانہ بصیرت رکھنے والے مفکر تھے۔ مگر جدید نصاب اکثر ان شخصیات کو ان کی مکمل intellectual depth کے ساتھ پیش نہیں کرتا۔ یہ حذف کاری صرف شخصیات کی نہیں بلکہ پورے worldview کی حذف کاری ہے۔ اسلامی تہذیب میں علم اور اخلاق الگ نہیں تھے، عقل اور وحی متصادم نہیں تھیں، اور روحانیت و سائنسی جستجو ایک دوسرے کی ضد نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ مگر استعماری نصاب نے آہستہ آہستہ ایک ایسا ذہن پیدا کیا

جس میں modernity اور religion ، science اور spirituality ، عقل اور وحی کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا گیا۔

مقامی تاریخ کی حذف کاری کا ایک خطرناک نتیجہ collective memory loss بھی ہے۔ جب نئی نسل کو اپنی تہذیب کے intellectual achievements کا علم نہیں ہو گا تو وہ اپنی تہذیب کو کمزور اور دوسروں کو superior سمجھے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے نوجوان مغربی فلسفیوں اور مفکرین کے نام تو جانتے ہیں مگر اپنی تہذیب کے عظیم مفکرین سے ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ صرف معلومات کی کمی نہیں بلکہ تہذیبی disconnect ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر اس کے برعکس علمی continuity پر زور دیتا ہے۔ اسلام میں علم کو ایک sacred trust سمجھا جاتا ہے اور ہر نسل اپنے سے پہلے آنے والی علمی روایت سے جڑتی ہے۔ قرآن خود انسان کو تاریخ، اقوامِ سابقہ اور پچھلی تہذیبوں سے سبق لینے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں علم صرف accumulation of data نہیں بلکہ wisdom transmission بھی تھا۔

اسی لیے اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ مقامی علمی روایت کو صرف decorative یا symbolic انداز میں شامل نہ کیا

جائے بلکہ اسے intellectual center کے طور پر دوبارہ بحال کیا جائے۔ طلبہ کو یہ احساس دلایا جائے کہ ان کی تہذیب صرف ماضی کی یادگار نہیں بلکہ ایک زندہ علمی tradition ہے جو آج بھی جدید دنیا کے سوالات پر meaningful گفتگو کر سکتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مغربی علوم یا مغربی مفکرین کو رد کر دیا جائے، بلکہ اصل ضرورت یہ ہے کہ علمی توازن پیدا کیا جائے۔ مغرب کو universal معیار اور اپنی تہذیب کو secondary position میں رکھنے کے بجائے دونوں کو تنقیدی اور balanced انداز میں پڑھایا جائے۔ ایسا نصاب ہی طلبہ میں فکری خود اعتمادی، تہذیبی continuity اور علمی آزادی پیدا کر سکتا ہے۔

اردو زبان اس reconstruction میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے کیونکہ اردو صرف ادب کی زبان نہیں بلکہ برصغیر کی اسلامی علمی روایت، مذہبی اصطلاحات، تہذیبی حافظے اور فکری شعور کی حامل زبان ہے۔ جب اردو نصاب اپنی مقامی علمی روایت کے ساتھ دوبارہ جڑے گا تو نئی نسل بھی اپنی تہذیبی roots کے ساتھ intellectually reconnect ہونا شروع ہو گی۔

اردو نصابات میں اکثر:

- مقامی علماء،
- مفکرین،
- محدثین،
- فلسفیوں،
- صوفیاء،
- مسلم سائنسدانوں،
- اور برصغیری علمی روایت

کو محدود انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔
جبکہ مغربی مفکرین کو مرکزیت دی جاتی ہے۔

نتیجہ:

اس سے طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ:

- اصل علم مغرب میں پیدا ہوا،
- ہم صرف مقلد ہیں،
- ہماری تاریخ پسماندگی کی تاریخ ہے۔

یہی ”Epistemic Colonization“ ہے۔

اسلامی متبادل:

اسلامی علمی روایت:

- ابن سینا،
- غزالی،
- شاہ ولی اللہ،
- سر سید کے مثبت و منفی دونوں پہلو،
- اقبال،
- شبلی،
- رومی،
- ابن خلدون

جیسے مفکرین کی جامع تنقیدی تدریس کا مطالبہ کرتی ہے۔

5۔ ادب کو دین اور تہذیب سے الگ کرنا:

استعماری بیانیہ:

استعمار نے برصغیر کے تعلیمی اور تہذیبی نظام پر اثر انداز ہونے کے لیے صرف زبان اور نصاب کو ہی تبدیل نہیں کیا بلکہ ادب کی تعبیر اور اس کے مقصد کو بھی بدلنے کی کوشش کی۔ کیونکہ ادب کسی بھی تہذیب کا محض جمالیاتی اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تہذیب کے روحانی شعور، اخلاقی اقدار، اجتماعی احساسات، تاریخی یادداشت اور انسان تصور کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی استعماری طاقت کسی قوم پر دیرپا فکری غلبہ قائم کرنا چاہتی ہے تو وہ اس قوم کے ادب کو اس کی اصل تہذیبی اور دینی بنیادوں سے کاٹنے کی کوشش کرتی ہے۔

برصغیر کی کلاسیکی اردو روایت میں ادب صرف تفریح یا جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ وہ تہذیب سازی، انسان سازی، اخلاقی تربیت، روحانی بیداری اور حکمت کی ترسیل کا وسیلہ تھا۔ اردو شاعری اور نثر کے اندر خداشناسی، عشقِ حقیقی، اخلاق، حیا، صبر، ایثار، اجتماعی شعور، روحانیت اور انسان دوستی جیسے تصورات گہرائی کے ساتھ موجود تھے۔ صوفیاء، علماء، شعرا اور ادباء ادب کو انسان کی inner refinement اور تہذیبی formation کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ مگر جدید استعماری و نو-استعماری نصاب نے آہستہ آہستہ ادب کو اس کی روحانی اور تہذیبی بنیادوں سے الگ کرکے صرف جمالیات، انفرادیت،

creativityاور emotional expression تک محدود کرنا شروع کر دیا۔

یہ تبدیلی بظاہر ادبی آزادی یا modern literary interpretation کے نام پر سامنے آئی، مگر اس کے تہذیبی اثرات بہت گہرے تھے۔ جدید نصاب میں ادب کو اکثر "art for art's sake" یا محض aesthetic experienceکے طور پر پڑھایا جانے لگا۔ اس تصور کے مطابق ادب کا مقصد صرف حسن، احساسات یا تخلیقی اظہار ہے، نہ کہ اخلاقی یا روحانی تربیت۔ اس طرح ادب کی تہذیبی اور دینی ذمہ داری کمزور ہونے لگی۔

استعماری بیانیے کی ایک اہم حکمت عملی یہ تھی کہ اردو ادب کی بڑی شخصیات کو ان کے اصل فکری اور روحانی تناظر سے الگ کر کے پیش کیا جائے۔ مثال کے طور پر اقبال کو صرف "شاعرِ خودی" یا قومی شاعر کے طور پر محدود کر دیا جاتا ہے، جبکہ ان کی گہری اسلامی فکر، استعمار مخالف شعور، روحانی فلسفہ اور امت کے تصور کو کمزور انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حالی کو صرف reformistشاعر، غالب کو صرف romantic intellectual اور سر سید کو صرف modern educationist کے طور پر پیش کیا جاتا ہے،

حالانکہ ان تمام شخصیات کے فکری اور تہذیبی dimensions کہیں زیادہ وسیع اور پیچیدہ ہیں۔

اس selective interpretation کے نتیجے میں طلبہ ادب کو اپنی تہذیبی اور روحانی جڑوں سے detached انداز میں پڑھنے لگتے ہیں۔ انہیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ادب کا تعلق صرف جذبات، language skills یا artistic appreciation سے ہے، جبکہ حقیقت میں کلاسیکی اردو ادب تہذیبی wisdom اور اخلاقی شعور کا ایک عظیم ذخیرہ تھا۔

استعماری نصاب نے ادب کو مذہب اور تہذیب سے الگ کر کے دراصل انسان کے روحانی dimension کو کمزور کیا۔ جب ادب صرف entertainment یا aesthetic pleasure کا ذریعہ بن جائے تو وہ انسان کی اخلاقی formation میں اپنا کردار کھونے لگتا ہے۔ نتیجتاً ادب کی دنیا میں relativism، hyper-individualism اور moral ambiguity بڑھنے لگتی ہے۔ انسان اپنی خواہشات، جذبات اور subjective experiences کو ہی ultimate reality سمجھنے لگتا ہے۔

یہ تبدیلی جدید مغربی secular aesthetics سے متاثر تھی، جس میں ادب کو مذہبی، اخلاقی یا تہذیبی ذمہ داریوں سے آزاد تصور کیا گیا۔ Enlightenment اور بعد ازاں modernism کے اثرات کے تحت ادب کو "autonomous sphere" قرار دیا گیا، یعنی ادب کو زندگی کے روحانی اور اخلاقی مرکز سے الگ کرکے ایک self-contained creative activity سمجھا گیا۔ یہی تصور بعد میں نوآبادیاتی نصابات کے ذریعے مسلم معاشروں میں منتقل ہوا۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں ادب کا تصور اس کے بالکل برعکس تھا۔ یہاں ادب کو "ادب" اسی لیے کہا جاتا تھا کہ اس کا تعلق تہذیب، اخلاق، شائستگی اور inner discipline سے تھا۔ ایک ادیب صرف لفظوں کا کھیل پیش کرنے والا شخص نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ تہذیبی شعور کا نمائندہ ہوتا تھا۔ صوفیانہ شاعری، مثنویات، اخلاقی حکایات، مرثیہ، حمد، نعت اور حکیمانہ شاعری سب انسان کی روحانی و اخلاقی تربیت کے ذرائع تھے۔

مولانا رومی کی مثنوی، سعدی کی گلستان و بوستان، اقبال کی شاعری، حالی کا مسدس، شبلی کی نثر اور اکبر الہ آبادی کی طنزیہ شاعری صرف literary texts نہیں بلکہ تہذیبی و فکری مکالمے تھے۔ ان میں انسان، خدا، معاشرہ،

اخلاق، استعمار، روحانیت اور تاریخ کے بارے میں گہری بصیرت موجود تھی۔ مگر جب ادب کو صرف جمالیات تک محدود کر دیا گیا تو اس کی تہذیبی طاقت کمزور ہونے لگی۔

استعماری بیانیے کا ایک اور اثر یہ ہوا کہ ادب میں موجود مذہبی اور روحانی symbolsکو بعض اوقات صرف metaphorical یا psychological dimensionsتک محدود کر کے explain کیا جانے لگا۔ نتیجتاً طلبہ کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگا کہ ادب میں خدا، عشقِ حقیقی، تصوف یا روحانیت صرف ادبی استعارے ہیں، ان کی کوئی حقیقی existentialیا spiritual significance نہیں۔ اس طرح ادب کی sacred depth آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔

جدید نصاب میں ادب کو اکثر contemporary liberal values کے مطابق reinterpret بھی کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض literary textsکو صرف gender politics، individual freedom یا psychological conflictکے زاویے سے پڑھایا جاتا ہے جبکہ ان کے تہذیبی، روحانی اور اخلاقی dimensions نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ یہ interpretive shiftدراصل ایک نئی epistemological

framing پیدا کرتی ہے جس میں ادب اپنی اصل تہذیبی بنیادوں سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس عمل کے نتیجے میں نئی نسل ادب کو اپنی تہذیبی continuity کے بجائے صرف academic requirement یا entertainment medium کے طور پر دیکھنے لگتی ہے۔ ادب کی وہ طاقت جو انسان کو اپنی تہذیب، اخلاق، روحانیت اور collective memory سے جوڑتی تھی، کمزور پڑنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید معاشروں میں literary sophistication بڑھنے کے باوجود spiritual emptiness اور moral fragmentation بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر میں ادب صرف حسنِ بیان نہیں بلکہ حسنِ کردار سے بھی جڑا ہوا ہے۔ اسلام فن، جمالیات اور تخلیقی اظہار کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ انہیں اخلاق، حکمت اور انسانی اصلاح کے ساتھ مربوط دیکھتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں خوبصورتی کا تصور بھی خدا کی نشانیوں سے جڑا ہوا ہے۔ اسی لیے اسلامی ادب میں جمالیات اور روحانیت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔

اردو زبان کی کلاسیکی روایت اسی integrated vision کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہاں لفظ صرف aesthetic object نہیں بلکہ معنی، حکمت،

تہذیب اور روحانی شعور کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر اردو نصاب کو واقعی decolonize کرنا ہے تو ادب کو دوبارہ اس کی تہذیبی، اخلاقی اور روحانی بنیادوں کے ساتھ reconnect کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ادب کو محض preachy یا didactic بنادیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ادب کو انسان سازی، تہذیبی شعور اور اخلاقی formation کے ایک زندہ وسیلے کے طور پر دوبارہ سمجھا جائے۔

ایک متوازن نصاب وہ ہوگا جو ادب کو نہ صرف artistic expression کے طور پر پڑھے بلکہ اسے discourse civilization ، moral imagination اور spiritual inquiry کے طور پر بھی سمجھے۔ ایسا نصاب طلبہ کو اپنی تہذیبی roots کے ساتھ emotionally اور intellectually reconnect کرسکتا ہے۔ اردو ادب کے اندر موجود روحانی، اخلاقی اور تہذیبی سرمایہ نئی نسل کو صرف linguistic skills نہیں بلکہ existential depth بھی فراہم کرسکتا ہے۔

جدید اردو نصابات میں ادب کو اکثر:

- صرف جمالیات،
- جذبات،

- انفرادیت،
- یا تفریح

تک محدود کر دیا جاتا ہے۔

نقصان:

اس سے:

- ادب کی اخلاقی و تہذیبی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے
- ادب "معنیٰ" سے خالی ہو جاتا ہے
- نوجوانوں میں relativism پیدا ہوتا ہے

اسلامی متبادل:

اسلامی تناظر میں ادب:

- تزکیہ،
- حکمت،
- تہذیب،
- اخلاق،

- شعور،
- اور حق کی تلاش

کا ذریعہ ہے۔

اقبال، رومی، سعدی، حالی، شبلی وغیرہ اسی روایت کی مثال ہیں۔

مجموعی تجزیاتی نتیجہ:

اردو زبان اور اس کے نصاب کا مسئلہ محض لسانی یا ادبی مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک گہرا تہذیبی، فکری، نفسیاتی اور علمی مسئلہ ہے۔ استعمار نے برصغیر میں صرف سیاسی اقتدار قائم نہیں کیا بلکہ اس نے ایک ایسا علمی و تہذیبی نظام بھی تشکیل دیا جس کے ذریعے نئی نسل کی ذہنی ساخت، تہذیبی ترجیحات، علمی مرکزیت اور شناخت کو آہستہ آہستہ تبدیل کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نصاب کے اندر موجود استعماری بیانیے صرف چند مضامین یا اسباق تک محدود نہیں بلکہ وہ پورے نصابی ڈھانچے، language hierarchy، literary interpretation، historical representation اور educational philosophy میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔

اس پورے عمل کا سب سے اہم پہلو "ذہنی تشکیل (Mental Formation)" ہے۔ نصاب صرف معلومات منتقل نہیں کرتا بلکہ یہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ دنیا کو کس زاویے سے دیکھنا ہے، کن چیزوں کو اہم سمجھنا ہے، کس تہذیب کو ترقی یافتہ تصور کرنا ہے اور کن اقدار کو "معمول" مان لینا ہے۔ اردو نصاب میں جب بار بار مغرب کو ترقی، عقلیت، سائنسی شعور اور modernity کا مرکز بنا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ مقامی تہذیب، اسلامی روایت اور اردو علمی سرمایہ کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے تو طالب علم آہستہ آہستہ ایک ایسی ذہنی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے جس میں وہ اپنی تہذیب سے جذباتی اور فکری دوری محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہی وہ process ہے جسے Linguistic Colonialism، Epistemological Domination، Cultural Reconstruction اور Internalized Inferiority جیسے تصورات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ زبان کے ذریعے احساسِ کمتری پیدا کرنا، مقامی علمی روایت کو marginalize کرنا، ادب کو روحانی و تہذیبی بنیادوں سے الگ کرنا، اور انسان کو خدا مرکز کائنات سے نکال کر self-centered

worldview میں منتقل کرنا، یہ سب ایک ہی بڑے استعماری منصوبے کے مختلف پہلو ہیں۔

استعماری نصاب کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہوتی ہے کہ مغلوب قوم آہستہ آہستہ خود اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اپنی علمی روایت پر شک کرنے لگتی ہے۔جب نئ نسل یہ محسوس کرنے لگے کہ:

- اصل علم مغرب میں ہے،
- اصل زبان انگریزی ہے،
- اصل ترقی مغربی ماڈل میں ہے،
- اور اپنی تہذیب صرف ماضی کی یادگار ہے،

تو ذہنی استعمار اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہوتا ہے۔یہی وہ کیفیت ہے جس میں قوم سیاسی طور پر آزاد ہونے کے باوجود فکری اور تہذیبی طور پر dependent رہتی ہے۔

اردو نصاب میں موجود سیکولر انسان مرکزیت نے بھی انسان کے تصور کو بنیادی طور پر تبدیل کیا۔ اسلامی و برصغیری تہذیب میں انسان کو روح، اخلاق، فطرت اور خدا سے جڑی ہوئی ہستی سمجھا جاتا تھا، جبکہ جدید نو-استعماری نصاب نے انسان کو زیادہ تر ایک autonomous individual ،

consumerاور self-project کے طور پر پیش کیا۔ اس تبدیلی نے روحانی خلا، اخلاقی relativism اور identity crisis کو جنم دیا۔ جب انسان اپنی روحانی بنیادوں سے کٹ جاتا ہے تو اس کی زندگی میں بظاہر آزادی تو بڑھتی ہے مگر inner stability کمزور ہونے لگتی ہے۔

اسی طرح ادب کو دین، اخلاق اور تہذیب سے الگ کرنے کے نتیجے میں اردو ادب کی وہ تہذیبی طاقت بھی کمزور ہوئی جو کبھی انسان سازی، اخلاقی refinementاور روحانی بیداری کا ذریعہ تھی۔ کلاسیکی اردو ادب انسان کو خدا، اخلاق، عشقِ حقیقی، اجتماعیت اور تہذیبی وقار سے جوڑتا تھا، مگر جدید نصاب میں ادب کو اکثر صرف aesthetic experience یا emotional expressionتک محدود کر دیا گیا۔ اس interpretive shiftنے ادب کی sacred depth کو کمزور کر دیا۔

مقامی علمی روایت کی حذف کاری نے نئی نسل کو اپنی تہذیبی continuity سے کاٹ دیا۔ جب طلبہ ابن سینا، غزالی، شاہ ولی اللہ، ابن خلدون، رومی، اقبال اور دیگر مسلم مفکرین کے intellectual contributions سے ناواقف رہتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگتا ہے کہ ان کی تہذیب صرف جذباتی یا روایتی تھی جبکہ rationality اور modern

knowledgeصرف مغرب کی پیداوار ہیں۔ یہی epistemic imbalanceبعد میں علمی dependency میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ تمام عوامل مل کر ایک ایسے "colonial subject" کی تشکیل کرتے ہیں جو:

- اپنی زبان سے غیر مطمئن،
- اپنی تہذیب سےemotionally detached ،
- مغرب سے مرعوب،
- اور فکری طور پر dependent

ہوتا ہے۔ یہ استعمار کی سب سے گہری شکل ہے، کیونکہ اب غلبہ صرف زمین پر نہیں بلکہ ذہن اور imagination پر قائم ہو چکا ہوتا ہے۔

تاہم اس پورے تجزیے کا مقصد یہ نہیں کہ مغرب یا جدید علوم کو کلیتاً رد کر دیا جائے۔ اسلام اور برصغیری علمی روایت ہمیشہ علم، حکمت اور تجربے سے استفادہ کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہے۔ اصل مسئلہ "علم" نہیں بلکہ "علم کی مرکزیت" ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جدید نصاب نے مغربی worldview کو universal truthکے طور پر پیش کیا جبکہ دیگر تہذیبی و دینی علمیات کو secondary positionمیں منتقل کر دیا۔ ایک متوازن اور علمی رویہ یہ

ہو گا کہ مغرب کو نہ demonize کیا جائے اور نہ blindly idealize ، بلکہ اسے تنقیدی اور متوازن انداز میں سمجھا جائے۔

اسلامی و تہذیبی متبادل اسی balance کی طرف دعوت دیتا ہے۔ ایسا نصاب درکار ہے جو:

- علم کو خدا سے منقطع نہ کرے،
- اردو کو تہذیبی حافظہ سمجھے،
- مقامی علمی روایت کو intellectual center کے طور پر بحال کرے،
- ادب کو انسان سازی کا ذریعہ بنائے،
- اور طلبہ میں تہذیبی self-confidence پیدا کرے۔

اسلامی تصورِ تعلیم میں علم صرف information transfer نہیں بلکہ انسان کی inner transformation بھی ہے۔ تعلیم کا مقصد صرف professional success نہیں بلکہ اخلاقی maturity ، روحانی شعور، فکری آزادی اور تہذیبی وقار بھی ہے۔ اسی لیے اردو نصاب کی reconstruction محض نصابی اصلاح نہیں بلکہ تہذیبی reconstruction کا عمل ہے۔

اردو زبان اس reconstruction میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے کیونکہ یہ زبان صرف communication system نہیں بلکہ برصغیر کی اسلامی علمی روایت، تہذیبی شعور، مذہبی اصطلاحات، collective memory اور روحانی imagination کی حامل ہے۔ جب اردو نصاب دوبارہ اپنی تہذیبی اور علمی بنیادوں کے ساتھ reconnect ہو گا تو نئی نسل بھی اپنی شناخت، اپنی تاریخ اور اپنی علمی روایت کے ساتھ intellectually اور emotionally reconnect ہونا شروع ہو گی۔

حقیقی decolonization اسی وقت ممکن ہو گی جب زبان، نصاب، ادب، علم اور تہذیب کو دوبارہ ایک متوازن اسلامی و برصغیری worldview کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ ایسا نصاب ہی فکری آزادی، تہذیبی خود اعتمادی اور علمی خودمختاری پیدا کر سکتا ہے، اور یہی اردو زبان و نصاب کی اصل reconstruction ہو گی۔

اردو زبان کا موجودہ نصاب بڑی حد تک ایسے استعماری فریم ورک سے متاثر ہے جس میں:

- مغرب کو معیارِ ترقی،
- انگریزی کو معیارِ ذہانت،

- سیکولر فکر کو معیارِ علم،
- اور مقامی روایت کو ثانوی حیثیت

دی جاتی ہے۔

یہی وہ عمل ہے جو استعمار کے مقاصد ہیں:

- Linguistic Colonialism
- Epistemological Domination
- Cultural Reconstruction
- Mental Formation

کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی متبادل کی بنیادی جہات:

اسلامی و برصغیری متبادل درج ذیل بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے:

1۔ علم کی توحیدی بنیاد

علم کو خدا سے منقطع نہ کیا جائے۔

2۔ زبان کی تہذیبی مرکزیت

اردو کو صرف مضمون نہیں بلکہ تہذیبی حافظہ سمجھا جائے۔

3۔ مقامی علمی روایت کی بحالی

برصغیر کی علمی روایت نصاب کا حصہ بنے۔

4۔ تنقیدی مطالعۂ مغرب

مغرب کو مطلق معیار کے بجائے تنقیدی انداز میں پڑھایا جائے۔

5۔ اخلاقی وروحانی ادب

ادب کو تہذیبی واخلاقی تشکیل کا ذریعہ بنایا جائے۔

اس مرحلے میں زیادہ عملی اور نصابی (Curricular) سطح پر یہ دیکھیں گے کہ اردو زبان کے موجودہ نصابات میں استعماری، نو-استعماری، سیکولر، لبرل اور تہذیبی بیانیے کس طرح سرایت کیے ہوئے ہیں، اور وہ کس انداز سے طلبہ کی ذہنی تشکیل (Mental Formation) کرتے ہیں۔

یہ پورا تجزیہ مندرجہ ذیل تصورات مثلاً:

- Hidden Curriculum
- Linguistic Colonialism
- Epistemological Domination
- Mental Formation
- Cultural Reconstruction
- Soft Power

کی روشنی میں ہے۔

اردو نصاب میں Hidden Colonial Curriculum

Hidden Curriculum کیا ہے؟

استعماری مطالعۂ نصاب کے مطابق:

نصاب صرف وہ نہیں ہوتا جو واضح طور پر لکھا ہو، بلکہ وہ بھی ہوتا ہے جو خاموشی سے ذہن میں منتقل کیا جائے۔

یعنی:

- کون ہیرو ہے؟
- کون مہذب ہے؟
- ترقی کیا ہے؟
- کامیابی کیا ہے؟
- کس طرزِ زندگی کو ideal دکھایا جارہا ہے؟
- کون سی اقدار normalize کی جارہی ہیں؟

یہ سب Hidden Curriculum کا حصہ ہوتے ہیں۔

تعلیمی فلسفے اور استعماریت کے جدید مطالعات میں "Hidden Curriculum" ایک نہایت اہم تصور سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ غیر اعلانیہ، خاموش اور غیر محسوس اقدار، تصورات، ترجیحات اور ذہنی سانچے ہیں جو نصاب کے ذریعے براہِ راست نہیں بلکہ بالواسطہ طور پر طلبہ کے ذہن میں منتقل کیے جاتے ہیں۔ یعنی نصاب صرف وہ نہیں ہوتا جو کتابوں میں واضح الفاظ میں لکھا ہو، بلکہ وہ بھی نصاب کا حصہ ہوتا ہے جو خاموشی سے انسان کے

worldview، احساسات، aspirationsاور identity کو shape کرتا ہے۔

استعماری اور نو-استعماری تعلیمی نظاموں میں Hidden Curriculum کو خاص طور پر ذہنی تشکیل (Mental Formation) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ:

- کون سی تہذیب ترقی یافتہ ہے،
- کون سی زبان باوقار ہے،
- کون سا طرزِ زندگی ideal ہے،
- کامیابی کی تعریف کیا ہے،
- مہذب انسان کسے کہتے ہیں،
- اور کون سی اقدار "normal" سمجھی جائیں گی۔

یہ تمام تصورات اکثر نصاب میں براہِ راست بیان نہیں کیے جاتے بلکہ imagery، classroom culture، literary selection، examples، role models، language hierarchy اور institutional behavior کے ذریعے ذہن میں منتقل ہوتے ہیں۔

اردو نصاب میں Hidden Colonial Curriculum نہایت subtle مگر گہرے انداز میں موجود ہے۔ بظاہر اردو نصاب مقامی زبان اور ادب کی تدریس کرتا ہے، لیکن اس کے اندر ایسے بیانیے اور ترجیحات شامل ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ مغربی modernity کو ideal اور مقامی تہذیب کو secondary position میں منتقل کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے طلبہ اردو پڑھنے کے باوجود اردو تہذیب، اسلامی علمی روایت اور اپنی تہذیبی شناخت سے emotionally connected نہیں رہتے۔

Hidden Curriculum کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ شعوری مزاحمت سے بچ جاتا ہے۔ اگر کوئی نصاب کھل کر یہ کہے کہ "آپ کی تہذیب کمتر ہے" تو شاید لوگ اس کی مخالفت کریں، لیکن جب یہی پیغام مسلسل imagery، examples، success models اور social prestige کے ذریعے منتقل کیا جائے تو وہ آہستہ آہستہ unconscious level پر internalize ہو جاتا ہے۔

اردو نصاب میں یہ hidden coloniality مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نصابی کہانیوں اور مضامین میں اکثر کامیاب انسان وہ دکھایا جاتا ہے جو:

- urban lifestyle رکھتا ہو،
- modern profession سے وابستہ ہو،
- westernized behavior رکھتا ہو،
- اور material success حاصل کر چکا ہو۔

اس کے برعکس روایتی ماحول، دیہی زندگی، مذہبی وابستگی یا کلاسیکی تہذیبی شعور رکھنے والے کردار اکثر یا تو پس منظر میں ہوتے ہیں یا انہیں "simplicity" اور "old-fashioned" زندگی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک خاموش تہذیبی hierarchy پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح نصاب کے اندر language prestige بھی Hidden Curriculum کا حصہ بنتا ہے۔ اگرچہ کتاب اردو میں ہوتی ہے، مگر پورا تعلیمی نظام یہ پیغام دیتا ہے کہ اصل academic excellence اور social mobility انگریزی کے ذریعے حاصل ہوگی۔ نتیجتاً اردو صرف امتحانی مضمون اور انگریزی کامیابی کی زبان بن جاتی ہے۔ یہ تقسیم طالب علم کے ذہن میں linguistic inferiority پیدا کرتی ہے۔

Hidden Curriculum صرف زبان یا کرداروں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ emotions اور desires کو بھی shape کرتا ہے۔ جدید نصابی

imagery، شہری ماحول، glamorous professions، modern consumer lifestyle اور imported aesthetics کے ذریعے طلبہ کے ذہن میں ایک خاص aspiration پیدا کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی مقامی تہذیب، لباس، زبان، رہن سہن اور خاندانی ماحول کو کم modern محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ process دراصل تہذیبی self-alienation پیدا کرتا ہے۔

استعماری نصاب کی ایک اہم حکمت عملی normalization ہوتی ہے۔ یعنی کسی مخصوص worldview کو اتنی بار "normal" انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ unquestioned truth محسوس ہونے لگے۔ مثال کے طور پر اگر نصاب مسلسل modern secular lifestyle کو civilized life کے طور پر پیش کرے اور روحانی یا مذہبی طرزِ زندگی کو صرف private sphere تک محدود دکھائے تو طلبہ آہستہ آہستہ secular worldview کو ہی "natural reality" سمجھنے لگتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ Hidden Curriculum اکثر مذہب کی کھلی مخالفت نہیں کرتا بلکہ اسے silently marginalize کرتا ہے۔ دین کو صرف عبادات، تہوار یا اخلاقی نصیحت تک محدود کر دیا جاتا ہے جبکہ معیشت،

سیاست، سماج، نفسیات، علم اور ترقی کو سیکولر بنیادوں پر explain کیا جاتا ہے۔اس طرح طالب علم کے ذہن میں ایک duality پیدا ہوتی ہے:

- مذہب= نجی زندگی
- دنیا= سیکولر اصول

حالانکہ اسلامی تہذیب میں یہ تقسیم کبھی موجود نہیں تھی۔

Hidden Curriculum کا ایک اور اہم پہلو role-model engineering ہے۔ نصاب میں جن شخصیات کو idealize کیا جاتا ہے وہ دراصل طلبہ کی aspirations کو shape کرتی ہیں۔ اگر مسلسل corporate, bureaucratic, modern یا westernized figures کو کامیابی کی علامت کے طور پر پیش کیا جائے تو نئی نسل انہی identities کو ideal سمجھنے لگتی ہے۔ دوسری طرف اگر علماء، صوفیاء، اخلاقی مفکرین، تہذیبی شخصیات اور روحانی leaders کو marginalize کر دیا جائے تو تہذیبی imagination بھی بدلنے لگتی ہے۔

اردو نصاب میں Hidden Colonial Curriculum ادب کی interpretation کے ذریعے بھی کام کرتا ہے۔ کلاسیکی ادب کو بعض اوقات صرف aesthetic text کے طور پر پڑھایا جاتا ہے جبکہ اس کی

تہذیبی، اخلاقی اور روحانی جہتوں کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح طلبہ ادب کو اپنی تہذیبی continuity کے بجائے صرف literary appreciation کے زاویے سے دیکھنے لگتے ہیں۔

اس hidden structure کا سب سے گہرا اثر identity formation پر پڑتا ہے۔ نئی نسل آہستہ آہستہ ایک fragmented identity develop کرتی ہے جہاں:

- زبان اردو ہے مگر intellectual aspiration مغربی ہے،
- مذہبی تعلق موجود ہے مگر worldview سیکولر ہے،
- تہذیبی roots باقی ہیں مگر prestige model مغربی ہے۔

یہی fragmentation بعد میں تہذیبی بے سمتی، احساسِ کمتری اور فکری dependency کو جنم دیتی ہے۔

اسلامی و برصغیری نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد صرف professional training نہیں بلکہ انسان سازی، اخلاقی formation ، روحانی refinement اور تہذیبی continuity ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمی روایت میں Hidden Curriculum بھی اخلاق، ادب، احترام، روحانیت، ذمہ داری اور collective consciousness پیدا کرتا تھا۔ استاد کا کردار

صرف معلومات دینے والا نہیں بلکہ تربیت کرنے والا ہوتا تھا۔ زبان صرف communication نہیں بلکہ تہذیبی وقار کی علامت تھی۔

اسی لیے اردو نصاب کی decolonization کے لیے صرف content changeکافی نہیں ہوگا بلکہ Hidden Curriculum کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ نصاب کے اندر موجود خاموش تہذیبیhierarchies ، language prestige systems، role-model structuresاور symbolic meaningsکو identify کیے بغیر حقیقی reconstructionممکن نہیں۔

ایک متوازن اور اسلامی و تہذیبی بنیادوں پر قائم نصاب وہ ہوگا جو طلبہ میں:

- تہذیبیself-confidence ،
- لسانی وقار،
- اخلاقیmaturity ،
- روحانی شعور،
- اور فکری آزادی

پیدا کرے۔ ایسا نصاب جدید دنیا سے engagement بھی کرے مگر اپنی تہذیبی بنیادوں کو بھی محفوظ رکھے۔ Hidden Colonial

Curriculum کو deconstruct کیے بغیر ذہنی استعمار کی جڑیں مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکتیں۔

اردو نصابات میں استعماری و نو-استعماری رجحانات:

1۔ "مہذب انسان" کا مغربی تصور

پاکستان، ہندوستان اور مختلف نجی تعلیمی اداروں کے اردو نصابات میں ایک نمایاں رجحان یہ ہے کہ:

- مہذب انسان،
- ترقی یافتہ فرد،
- جدید شہری،
- educated class

کو ایسے کرداروں کے ذریعے دکھایا جاتا ہے جو:

- مغربی طرزِ زندگی رکھتے ہیں
- انفرادی آزادی کو مطلق مانتے ہیں
- مذہب کو نجی معاملہ سمجھتے ہیں
- مادّی کامیابی کو مرکزی اہمیت دیتے ہیں

استعماری تعلیمی نظام کی ایک اہم حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ وہ "مہذب انسان (Civilized Human)" کی ایک مخصوص تعریف متعین کرتا ہے اور پھر پورے نصاب، ادب، میڈیا، تعلیمی ماحول اور سماجی prestige کے ذریعے اسی تعریف کو ideal کے طور پر پیش کرتا ہے۔ برصغیر میں برطانوی استعمار نے بھی یہی کیا۔ اس نے صرف سیاسی اقتدار قائم نہیں کیا بلکہ ایک ایسا ذہنی و تہذیبی نظام بھی تشکیل دیا جس میں "مہذب"، "تعلیم یافتہ" اور "ترقی یافتہ" انسان کا تصور مغربی modernity کے مطابق redefine کیا گیا۔

اردو نصابات میں یہ رجحان مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ نصابی کہانیوں، مضامین، اسباق اور کرداروں کے ذریعے اکثر ایسا انسان idealize کیا جاتا ہے جو:

- شہری (urban) ماحول سے تعلق رکھتا ہو،
- modern education یافتہ ہو،
- westernized manners رکھتا ہو،
- material success حاصل کر چکا ہو،
- اور مذہب کو زیادہ تر نجی معاملہ سمجھتا ہو۔

اس کے برعکس روایتی، مذہبی، دیہی یا کلاسیکی تہذیبی شعور رکھنے والے کردار اکثر یا تو پس منظر میں ہوتے ہیں یا انہیں simplicity ، backwardness یا old tradition کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طرح نصاب آہستہ آہستہ یہ پیغام منتقل کرتا ہے کہ حقیقی civilized identity مغربی طرزِ زندگی کے قریب ہے۔

یہ process ہمیشہ explicit انداز میں نہیں ہوتا۔ نصابی imagery ، language style، success stories، classroom examples اور social role models کے ذریعے ایک خاموش تہذیبی hierarchy پیدا کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر modern office environment، corporate professionalism، western etiquette اور urban lifestyle کو sophistication کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، جبکہ مقامی تہذیبی علامات کو اکثر secondary position دی جاتی ہے۔ نتیجتاً نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور بیٹھنے لگتا ہے کہ ترقی یافتہ انسان وہی ہے جو مغربی modernity سے زیادہ قریب ہو۔

یہی وہ تصور ہے جسے بعض postcolonial مفکرین "colonial mimicry" کہتے ہیں، یعنی مغلوب قوم کے اندر ایسا انسان پیدا کرنا جو اپنی

اصل تہذیبی شناخت سے آہستہ آہستہ دور ہو کر استعمار کی تہذیبی شکل کی نقل کرنے لگے۔ برطانوی استعمار کے لیے یہ صرف ثقافتی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اقتدار کو طویل مدت تک محفوظ رکھنے کی حکمت عملی تھی۔ کیونکہ جب کوئی قوم ذہنی طور پر مغربی معیار کو ہی ideal سمجھنے لگتی ہے تو وہ فکری طور پر dependent ہو جاتی ہے۔

اردو نصاب میں "مہذب انسان" کے اس مغربی تصور کا ایک اہم پہلو individual success کا glorification بھی ہے۔ جدید نصابی بیانیہ اکثر کامیابی کو ذاتی achievement، career growth، economic prosperity اور personal ambition کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس تصور میں انسان کی قدر اس کی productivity اور market value سے متعین ہونے لگتی ہے۔ اس کے برعکس برصغیری اسلامی تہذیب میں مہذب انسان کی تعریف صرف معاشی یا پیشہ ورانہ کامیابی سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اخلاق، کردار، روحانیت، دیانت، علم، حیا، خدمت اور تعلقات کی مضبوطی بھی بنیادی معیار سمجھے جاتے تھے۔

برصغیری معاشرے میں "مہذب انسان" وہ سمجھا جاتا تھا جو:

- بڑوں کا احترام کرے،

- زبان و گفتگو میں شائستگی رکھے،
- روحانی و اخلاقی شعور رکھتا ہو،
- خاندان اور معاشرے سے جڑا ہو،
- اور خدا شناسی و اخلاقی ذمہ داری کا احساس رکھتا ہو۔

یہ تصور انسان کو صرف economic being یا professional identity تک محدود نہیں کرتا تھا بلکہ اسے روحانی و اخلاقی وجود کے طور پر دیکھتا تھا۔ مگر جدید نو-استعماری نصاب نے آہستہ آہستہ انسان کو زیادہ تر career-oriented، competitive اور self-centered identity میں منتقل کر دیا۔

اس تبدیلی کے نتیجے میں انسان کی inner worth کے بجائے outward success زیادہ اہم محسوس ہونے لگی۔ نئی نسل کے ذہن میں "کامیاب انسان" کا تصور اکثر اس شخص کے ساتھ جڑ گیا جو:

- زیادہ کماتا ہو،
- global lifestyle رکھتا ہو،
- انگریزی میں fluent ہو،
- اور modern corporate culture کا حصہ ہو۔

جبکہ اخلاقی وقار، روحانی maturity اور تہذیبی وابستگی جیسے عناصر کمزور ہوتے چلے گئے۔

یہ استعماری تصور دراصل modern capitalist worldview سے بھی جڑا ہوا ہے، جس میں انسان کو بنیادی طور پر producer، consumer اور economic unit کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ تعلیم، زبان اور ادب سب آہستہ آہستہ market-oriented structures کے تابع ہونے لگتے ہیں۔ نتیجتاً "مہذب انسان" کا معیار بھی اخلاقی و روحانی بنیادوں کے بجائے economic efficiency اور social status سے متعین ہونے لگتا ہے۔

اردو نصاب میں اس رجحان کا ایک نفسیاتی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ نئی نسل اپنی مقامی تہذیب اور روایتی ماحول کو کمتر محسوس کرنے لگتی ہے۔ دیہی زندگی، سادہ طرزِ حیات، مذہبی ماحول اور کلاسیکی تہذیبی شعور کو اکثر غیر شعوری طور پر less sophisticated سمجھا جانے لگتا ہے۔ یہی احساس بعد میں تہذیبی self-alienation پیدا کرتا ہے۔

استعماری نصاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تہذیبی ideals کو "universal" بنا کر پیش کرتا ہے۔ مغربی لباس، طرزِ گفتگو،

lifestyleاور social behavior کو modern civilization کی علامت کے طور پر normalize کر دیا جاتا ہے۔ اس normalization کے نتیجے میں نئی نسل اپنی مقامی تہذیبی علامات کو یا تو چھپانے لگتی ہے یا ان سے شرمندگی محسوس کرنے لگتی ہے۔

اسلامی و برصغیری تصورِ انسان اس کے برعکس زیادہ متوازن اور ہمہ جہتی ہے۔ اسلام انسان کو صرف professional identity یا material successکے ذریعے define نہیں کرتا بلکہ اس کی اصل قدر تقویٰ، اخلاق، عدل، علم، خدمت اور خدا سے تعلق میں دیکھتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں مہذب انسان وہ ہے جو outward refinement کے ساتھ inward purification بھی رکھتا ہو۔

اسلامی تصورِ تہذیب میں علم اور اخلاق الگ نہیں ہوتے۔ ایک عالم اگر اخلاق سے خالی ہو تو اس کا علم ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح معاشی کامیابی اگر عدل، دیانت اور روحانی توازن کے بغیر ہو تو اسے مکمل کامیابی نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب میں انسان کی اصل عظمت اس کے کردار، اخلاق اور خداشناسی میں دیکھی جاتی تھی، نہ کہ صرف اس کے social statusیا material achievement میں۔

اردو ادب کی کلاسیکی روایت بھی اسی انسان تصور کی نمائندگی کرتی ہے۔ اقبال کے ہاں "مردِ مومن" صرف intellectually active نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی، خوددار اور خدا سے جڑا ہوا انسان ہے۔ حالی، شبلی، رومی اور دیگر مفکرین بھی انسان کی inner refinement اور تہذیبی ذمہ داری پر زور دیتے ہیں۔ مگر جدید نصابی تعبیرات میں ان گہرائیوں کو اکثر کمزور کر دیا جاتا ہے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ "مہذب انسان" کے تصور کو دوبارہ اسلامی و برصغیری بنیادوں پر سمجھا جائے۔ ایسا نصاب درکار ہے جو انسان کو صرف career machine یا consumer identityنہ بنائے بلکہ اسے اخلاقی، روحانی، فکری اور تہذیبی طور پر matureانسان بنائے۔ جدید دنیا سے engagement ضروری ہے، مگر اس engagement کا مطلب اپنی تہذیبی بنیادوں سے دستبرداری نہیں ہونا چاہیے۔

حقیقی تہذیبی خودمختاری اسی وقت ممکن ہوگی جب نئی نسل مغربی modernityسے مرعوب ہونے کے بجائے اپنی تہذیبی روایت، اپنی زبان

اور اپنے انسان تصور پر بھی intellectual confidence حاصل کرے۔

•

مثالیں:

بہت سے اردو اسباق میں:

- "کامیاب شخص / scientist / businessman = modern urban figure"
- "مہذب معاشرہ = modernized city life"
- "ترقی = industrialization + westernization"

جبکہ:

- روحانیت،
- دینی علم،
- خاندانی استحکام،
- روایتی سماجی ربط،
- مقامی حرفت،
- اخلاقی عظمت

کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔

اسلامی و برصغیری تصادم:

برصغیر کی تہذیب میں "مہذب انسان" کی تعریف یہ تھی:

- صاحبِ اخلاق
- صاحبِ علم
- صاحبِ خدمت
- صاحبِ حیا
- صاحبِ دیانت
- بزرگوں کا احترام کرنے والا
- خداشناس

جبکہ جدید نصاب میں:

productivity + efficiency + career success

کو مرکزی مقام دے دیا گیا ہے۔

یہ تبدیلی محض سماجی نہیں بلکہ تہذیبی و فکری تبدیلی ہے۔

2۔ "Individualism" کا فروغ

نصابی رجحان:

کئی اردو کہانیوں اور مضامین میں یہ تصور مضبوط کیا جاتا ہے کہ:

- انسان کی اصل ترجیح "self-fulfillment" ہے
- ذاتی خواہشات بنیادی ہیں
- آزادی = کسی پابندی کا نہ ہونا
- کامیابی personal ambition =

جدید اردو نصابات میں ایک نمایاں نو-استعماری رجحان "فردیت" (Individualism) کا فروغ ہے۔ یہ رجحان بظاہر انسانی آزادی، self-expression اور ذاتی ترقی کے خوشنما تصورات کے ساتھ سامنے آتا ہے، مگر اس کے تہذیبی، نفسیاتی اور سماجی اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ فردیت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان کی اصل حقیقت اس کی ذاتی خواہشات، ذاتی انتخاب، individual autonomy اور personal fulfillment میں پوشیدہ ہے۔ اس worldview میں فرد کو اجتماع، خاندان، مذہب، روایت اور تہذیبی ذمہ داریوں سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

اردو نصابات میں یہ تصور مختلف کہانیوں، مضامین، کرداروں اور success narratives کے ذریعے آہستہ آہستہ طلبہ کے ذہن میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اکثر کامیاب انسان وہ دکھایا جاتا ہے جو اپنی ذاتی ambition، personal dreams اور self-defined goals کے لیے جدوجہد کرتا ہو۔ اس process میں اجتماعیت، خاندانی وابستگی، روحانی ذمہ داری اور collective identity کو کم اہم یا secondary position دی جاتی ہے۔

یہ رجحان براہِ راست ہمیشہ "فردیت" کے نام سے سامنے نہیں آتا بلکہ subtle انداز میں نصاب کا حصہ بنتا ہے۔ مثال کے طور پر آزادی کو اکثر صرف "اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے" کے تصور سے جوڑا جاتا ہے۔ self-confidence کو بعض اوقات complete independence کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح "اپنے خواب پورے کرنا" اور "اپنی خواہشات کے مطابق جینا" کامیابی کی بنیادی تعریف بننے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور مضبوط ہونے لگتا ہے کہ انسان کی اصل ذمہ داری صرف اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

یہ individualistic worldview جدید مغربی Liberalism اور capitalist modernity سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ Enlightenment کے بعد مغربی فکر میں فرد کو مذہب، روایت اور اجتماعی authority سے آزاد کرنے پر زور دیا گیا۔ ابتدا میں یہ کلیسا کے جبر کے خلاف ردعمل تھا، مگر بعد میں اس نے انسان کو ایک self-contained individual میں تبدیل کر دیا جس کی بنیادی شناخت اس کی personal freedom اور private desires بن گئیں۔

استعماری و نو-استعماری تعلیمی نظاموں نے اسی فردیت کو "modern civilized life" کے طور پر پوری دنیا میں پھیلایا۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کو ایسے انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو:

- زیادہ consume کرے،
- زیادہ compete کرے،
- اپنی identity کو market کے ذریعے define کرے،
- اور اجتماعیت کے بجائے personal success پر focus رکھے۔

اسی لیے جدید نصابات آہستہ آہستہ انسان کو consumer identity کی طرف منتقل کرتے ہیں۔

برصغیری تہذیب اس تصور کے برعکس بنیادی طور پر اجتماعیت (Collectivism)پر قائم تھی۔ یہاں انسان کی شناخت صرف "میں" سے نہیں بلکہ:

- خاندان،
- برادری،
- محلہ،
- معاشرہ،
- امت،
- اور روحانی تعلقات

سے بنتی تھی۔ انسان کو مکمل طور پر آزاد self نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اسے تعلقات کے ایک اخلاقی و روحانی نظام کا حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

برصغیری مسلم تہذیب میں خاندانی نظام صرف معاشی یا سماجی institution نہیں تھا بلکہ تربیت، محبت، احترام، ذمہ داری اور روحانی continuity کا مرکز تھا۔ بزرگ خاندان کے moral center ہوتے

تھے، بچوں کی تربیت collective responsibility سمجھی جاتی تھی اور فرد کی کامیابی کو صرف ذاتی achievement نہیں بلکہ پورے خاندان اور معاشرے کی عزت کے ساتھ جوڑا جاتا تھا۔

مگر جدید individualistic نصاب نے آہستہ آہستہ انسان کو اس collective consciousness سے دور کرنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً نئی نسل کے اندر self-centeredness ، emotional isolation اور relational fragmentation بڑھنے لگتی ہے۔ انسان outwardly زیادہ "آزاد" محسوس کرتا ہے مگر inwardly زیادہ تنہا، anxious اور disconnected ہو جاتا ہے۔

فردیت کے فروغ کا ایک بڑا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ patience، sacrifice، collective responsibility اور family commitment جیسے تصورات کمزور ہونے لگتے ہیں۔ جب انسان اپنی خواہشات کو ultimate reality سمجھنے لگتا ہے تو ہر وہ تعلق جو اس کی personal freedom کو محدود کرے، بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید معاشروں میں:

- خاندانی fragmentation ،

- loneliness،
- depression،
- commitment crisis،
- اور identity confusion

تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

اردو نصابات میں بعض اوقات individual freedom کو اس انداز میں idealize کیا جاتا ہے کہ طلبہ کے ذہن میں اجتماعی ذمہ داری کی اہمیت کم ہونے لگتی ہے۔ "اپنی مرضی سے جینا" ایک ایسا slogan بن جاتا ہے جو بظاہر empowering محسوس ہوتا ہے، مگر اگر اس کے ساتھ اخلاقی اور روحانی boundaries نہ ہوں تو یہ انسان کو narcissism اور خواہش پرستی کی طرف بھی لے جاسکتا ہے۔

اسلامی تصورِ انسان اس individualistic worldview کے بالکل برعکس ایک balanced model پیش کرتا ہے۔ اسلام انسان کی individuality کو تسلیم کرتا ہے، اس کی شخصیت، عزت اور آزادی کو اہمیت دیتا ہے، مگر ساتھ ہی اسے اخلاقی، روحانی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔ اسلام میں انسان نہ مکمل طور پر collectivist

بلکہ، absolute autonomous individual ہے اور نہ machine
وہ ایک ایسا وجود ہے جس کی آزادی بھی meaningful ہے اور جس کے تعلقات بھی sacred ہیں۔

اسلامی تہذیب میں "میں" اور "ہم" ایک دوسرے کی ضد نہیں تھے۔ انسان کی ذات، خاندان، معاشرہ اور امت ایک متوازن نظام کا حصہ تھے۔ اسی لیے اسلام:

- والدین کے حقوق،
- رشتہ داری،
- پڑوسی،
- اجتماعی خیر،
- ایثار،
- اور عدل

پر زور دیتا ہے۔ یہاں انسان کی عظمت صرف personal success سے نہیں بلکہ اس کے اخلاق، تعلقات اور ذمہ داری کے احساس سے بھی متعین ہوتی ہے۔

اردو ادب کی کلاسیکی روایت بھی اسی collective moral imagination کی نمائندگی کرتی ہے۔ اقبال کے ہاں خودی selfish individualism نہیں بلکہ خدا سے جڑی ہوئی، امت سے مربوط اور اخلاقی ذمہ داری رکھنے والی خودی ہے۔ رومی، سعدی، حالی اور شبلی بھی انسان کو ایک relational being کے طور پر پیش کرتے ہیں، نہ کہ isolated consumer identity کے طور پر۔

استعماری فردیت کا ایک اور اہم اثر تہذیبی continuity پر پڑتا ہے۔ جب ہر فرد صرف اپنی ذاتی خواہشات کو ultimate value سمجھنے لگے تو تہذیب، روایت، collective memory اور مشترکہ اقدار کمزور ہونے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید individualistic culture اکثر historical roots اور spiritual continuity سے کٹ جاتا ہے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ فرد اور اجتماع کے تعلق کو دوبارہ balanced انداز میں سمجھایا جائے۔ ایسا نصاب درکار ہے جو انسان کی individuality کو suppress نہ کرے مگر اسے اخلاق، خاندان، روحانیت اور collective responsibility کے ساتھ مربوط رکھے۔ نئی نسل کو یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ حقیقی آزادی صرف

خواہشات کی پیروی میں نہیں بلکہ اخلاقی maturity ، روحانی balance اور meaningful relationships میں بھی موجود ہے۔

اسلامی و برصغیری تہذیب کا اصل حسن یہی تھا کہ اس میں انسان اپنی ذات بھی محفوظ رکھتا تھا اور اپنی collective identity بھی۔ اگر اردو نصاب دوبارہ اسی متوازن worldview کے ساتھ reconnect ہو جائے تو نئی نسل بھی modern world کے challenges کا سامنا کرتے ہوئے اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹی ہوئی نہیں بلکہ intellectually rooted اور morally grounded رہے گی۔

یہ کیوں استعماری / نو-استعماری ہے؟

کیونکہ جدید لبرل سرمایہ دارانہ نظام کو ایسے انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو:

- consumer ہو،
- self-centered ہو،
- اجتماعیت سے کٹا ہوا ہو،
- روحانی و اخلاقی وابستگیوں سے آزاد ہو۔

یہی وہ "modern subject" ہے جسے نو-استعماری نظام پیدا کرتا ہے۔

اسلامی متبادل:

اسلامی تصورِ انسان:

- فرد + خاندان + معاشرہ + امت

کے متوازن تعلق پر قائم ہے۔

اسلام:

- خود غرضی نہیں،
- بلکہ ذمہ داری،
- امانت،
- ایثار،
- اور تعلقات

پر زور دیتا ہے۔

3۔ اردو ادب کی "Secular Reinterpretation"

اہم مسئلہ

جدید اردو نصاب میں بہت سے ادیبوں کو ان کے اصل فکری و دینی تناظر سے کاٹ کر پڑھایا جاتا ہے۔

مثلاً:

- اقبال کو صرف "شاعرِ خودی"
- حالی کو صرف "اصلاحی شاعر"
- سرسید کو صرف "modern reformer"
- غالب کو صرف "romantic intellectual"

کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اصل مسئلہ

ان شخصیات کے:

- دینی تصورات،
- تہذیبی اضطراب،
- استعمار مخالف شعور،
- اسلامی فکر،
- اور امت کے تصور

کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔

استعماری اور نو-استعماری تعلیمی نظام کا ایک نہایت subtle مگر گہرا اثر یہ ہے کہ وہ صرف نصابی مواد کو تبدیل نہیں کرتا بلکہ موجودہ تہذیبی اور ادبی سرمایہ کی نئی تعبیر (reinterpretation) بھی کرتا ہے۔ یہی عمل اردو ادب کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کلاسیکی اردو ادب جو اپنی اصل میں اسلامی تہذیب، روحانیت، اخلاق، اجتماعی شعور اور خدامرکز انسان تصور سے جڑا ہوا تھا، اسے جدید سیکولر اور لبرل فکری فریم ورک کے اندر دوبارہ explain کیا جانے لگا۔ اس process کو "Secular Reinterpretation" کہا جاسکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ادب کو مکمل طور پر مذہب مخالف بنا دیا گیا، بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ادب کی روحانی، تہذیبی اور الٰہی جہتوں کو کمزور کر کے اسے صرف نفسیاتی، جمالیاتی، سماجی یا قومی زاویوں سے explain کیا جانے لگا۔ اس طرح ادب کی sacred depth آہستہ آہستہ secular cultural text میں تبدیل ہونے لگی۔

اردو نصابات میں یہ رجحان خاص طور پر بڑی ادبی شخصیات کی تعبیر میں نمایاں نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر اقبال کو اکثر صرف قومی شاعر، شاعرِ خودی یا motivational thinker کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ ان کی اسلامی

فلسفۂ خودی، روحانی بیداری، استعمار مخالف فکر، تصورِ امت اور خدا مرکز انسان تصور کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح غالب کو صرف romantic یا intellectual existential شاعر کے طور پر explain کیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی شاعری میں metaphysical anxiety ، خدا، تقدیر، روحانی سوالات اور انسان کے existential crisis جیسے گہرے موضوعات بھی موجود ہیں۔

یہی صورتحال حالی، شبلی، اکبر الہ آبادی اور دیگر مفکرین کے ساتھ بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کی اصلاحی، تہذیبی اور اسلامی فکر کو اکثر صرف social reform یا literary contribution تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ اس selective interpretation کے نتیجے میں نئی نسل ادب کو اپنی تہذیبی اور روحانی continuity کے بجائے صرف academic text کے طور پر پڑھنے لگتی ہے۔

استعماری تعلیمی نظام کی ایک اہم حکمت عملی یہی تھی کہ مسلم معاشروں کی intellectual tradition کو اس کے مذہبی و تہذیبی context سے الگ کر دیا جائے۔ کیونکہ جب کوئی تہذیب اپنی علمی و ادبی روایت کو خدا،

اخلاق اور روحانیت سے detached انداز میں پڑھنے لگتی ہے تو آہستہ آہستہ اس کا worldview بھی secularize ہونے لگتا ہے۔

یہ process صرف اردو ادب تک محدود نہیں بلکہ پوری modern educationکا حصہ تھا۔ Enlightenment اور بعد ازاں secular modernityنے مغرب میں مذہب کو اجتماعی زندگی کے مرکز سے ہٹا کر private sphereتک محدود کر دیا۔ بعد میں یہی intellectual framework colonial education systemsکے ذریعے مسلم دنیا میں منتقل ہوا۔ نتیجتاً ادب، فلسفہ، تاریخ اور سماجی علوم سب کو آہستہ آہستہ سیکولر lenses کے ذریعے interpret کیا جانے لگا۔

اردو ادب کی secular reinterpretation کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ ادب کی moral authority کمزور ہونے لگی۔ کلاسیکی اردو روایت میں ادب انسان کی اخلاقی و روحانی formation کا ذریعہ تھا۔ شعر و ادب صرف حسنِ بیان نہیں بلکہ wisdom transmission بھی تھے۔ رومی، سعدی، اقبال اور حالی کے ہاں ادب انسان کو خدا، اخلاق، خود شناسی، صبر، عشق، قربانی اور collective consciousness کی طرف متوجہ کرتا

ہے۔ مگر جدید نصابی تعبیرات میں ادب کو اکثر صرف emotional experienceیا artistic creativity تک محدود کر دیا گیا۔

اس interpretive shift کے نتیجے میں نئی نسل ادب کے تہذیبی اور روحانی dimensions سے آہستہ آہستہ دور ہونے لگی۔ طلبہ کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہوا کہ:

- مذہب = ذاتی عقیدہ
- ادب = جمالیاتی اظہار
- علم = سیکولر rationality

حالانکہ کلاسیکی اسلامی تہذیب میں یہ تقسیم موجود نہیں تھی۔ وہاں علم، ادب، اخلاق، روحانیت اور تہذیب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔

اردو ادب کی secular reinterpretation نے عشق کے تصور کو بھی متاثر کیا۔ کلاسیکی اردو شاعری میں عشق صرف romantic emotion نہیں بلکہ existential اور spiritual reality بھی تھا۔ عشقِ حقیقی، معرفت، فنا، قربِ الٰہی اور روحانی longing جیسے تصورات اردو ادب کی بنیادی روح تھے۔ مگر جدید تعبیرات میں عشق کو زیادہ تر

psychological desire یا romantic symbolism تک محدود کر دیا گیا۔ اس طرح ادب کی روحانی معنویت کمزور ہونے لگی۔

اسی طرح تصوف کی تعبیر بھی بدل گئی۔ صوفیانہ ادب کو بعض اوقات صرف mystical poetry یا metaphorical language کے طور پر explain کیا جاتا ہے، جبکہ اس کے اخلاقی، روحانی اور تہذیبی dimensions کو کم اہمیت دی جاتی ہے۔ نتیجتاً طلبہ تصوف کو صرف ایک literary style سمجھنے لگتے ہیں، نہ کہ ایک زندہ spiritual tradition۔

یہ secular reinterpretation دراصل ایک epistemological shift ہے۔ یعنی حقیقت کو سمجھنے کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ جب ادب کو صرف psychology، sociology یا aesthetics کے lenses سے پڑھا جائے تو اس کی divine اور invisible sacred dimensions ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ modern secular education میں ادب increasingly entertainment ، creativity اور self-expression کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے، جبکہ اس کی تہذیبی و روحانی ذمہ داری کمزور پڑتی جا رہی ہے۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں ادب کو "ادب" اسی لیے کہا جاتا تھا کہ اس کا تعلق inner discipline، اخلاقی refinement اور تہذیبی شائستگی سے تھا۔ ایک ادیب صرف imaginative writer نہیں بلکہ تہذیبی consciousness کا نمائندہ ہوتا تھا۔ زبان، بیان، فکر اور اخلاق سب ایک دوسرے سے جڑے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلاسیکی اردو ادب انسان کے دل، عقل، روح اور تہذیبی شعور سب کو مخاطب کرتا تھا۔

اسلامی نقطۂ نظر ادب کی جمالیاتی اہمیت سے انکار نہیں کرتا بلکہ حسن اور جمال کو بھی divine reality کا حصہ سمجھتا ہے۔ مگر اسلامی تہذیب میں جمالیات کبھی اخلاق، روحانیت اور حقیقت سے detached نہیں تھیں۔ اسی لیے اسلامی ادب صرف artistic beauty نہیں بلکہ existential meaning بھی فراہم کرتا تھا۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ ادب کو دوبارہ اس کے تہذیبی اور روحانی context میں سمجھا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ادب کو صرف مذہبی preaching میں تبدیل کر دیا جائے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ طلبہ ادب کی تہذیبی گہرائی، روحانی symbolism اور اخلاقی imagination کو بھی سمجھ سکیں۔

تہذیبی بیگانگی کا عمل:

استعماری اور نو-استعماری نصاب کا ایک نہایت گہرا اور خطرناک نتیجہ "Cultural Alienation" یعنی تہذیبی بیگانگی ہے۔ اس سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں انسان آہستہ آہستہ اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنی تاریخ، اپنی مذہبی روایت، اپنے اجتماعی شعور اور اپنی تہذیبی شناخت سے جذباتی اور فکری طور پر دور ہونے لگتا ہے۔ وہ ظاہری طور پر اپنی قوم، زبان اور مذہب سے وابستہ رہتا ہے، مگر اس کے ذہن میں prestige ، ترقی، sophistication اور intellectual superiority کے معیارات کسی دوسری تہذیب سے اخذ ہونے لگتے ہیں۔

اردو نصاب میں یہ تہذیبی بیگانگی براہِ راست نہیں بلکہ خاموش اور تدریجی انداز میں پیدا ہوتی ہے۔ نصاب کے اندر موجود استعماری بیانیے، language hierarchy، role models، literary interpretations، success narratives اور modernity کے تصورات آہستہ آہستہ طلبہ کے ذہن میں ایک ایسی dual consciousness پیدا کرتے ہیں جہاں وہ اپنی تہذیبی roots کے ساتھ مکمل طور پر comfortable محسوس نہیں کرتے۔ نتیجتاً نئی نسل

outwardly اپنی تہذیب کا حصہ ہوتی ہے مگر inwardly اس سے distance محسوس کرنے لگتی ہے۔

تہذیبی بیگانگی کا آغاز اکثر زبان سے ہوتا ہے۔ جب طالب علم کو مسلسل یہ محسوس کروایا جائے کہ:

- اصل علم انگریزی میں ہے،
- اصل sophistication مغربی انداز میں ہے،
- اصل modernity imported lifestyle میں ہے،
- اور اردو صرف گھریلو یا ثانوی زبان ہے،

تو وہ آہستہ آہستہ اپنی زبان کے ساتھ emotional attachment کھونے لگتا ہے۔ زبان صرف communication system نہیں ہوتی بلکہ collective memory، تہذیبی symbolism اور تاریخی شعور کا ذریعہ بھی ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی زبان سے psychologically detach ہو جائے تو وہ اپنی تہذیبی continuity سے بھی کٹنے لگتا ہے۔

اردو نصاب میں modernity کی تعبیر بھی Cultural Alienation کو بڑھاتی ہے۔ اکثر modern life کو urban westernized culture، consumer lifestyle، corporate professionalism اور

imported aesthetics کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مقامی ثقافت، روایتی طرزِ حیات، مذہبی ماحول اور دیہی سماج کو کم sophisticated یا outdated محسوس کروایا جاتا ہے۔ اس process کے نتیجے میں نئی نسل اپنی تہذیبی علامات کو modern identity کے ساتھ incompatible سمجھنے لگتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے نوجوان:

- اپنی مادری زبان بولنے میں جھجھک محسوس کرتے ہیں،
- مقامی لباس سے distance رکھتے ہیں،
- مذہبی یا تہذیبی symbols کو backwardness سمجھنے لگتے ہیں،
- اور مغربی cultural models کو aspiration کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔

یہ صرف cultural preference نہیں بلکہ psychological restructuring ہے۔

استعمار کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ مغلوب قوم خود اپنی تہذیب کو inferior سمجھنے لگتی ہے۔ جب انسان اپنی تہذیبی بنیادوں سے

وہ intellectual ہو جائے تو emotionally disconnected

dependency کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ:

- اپنی تاریخ کو کمتر،
- اپنی روایت کو obsolete ،
- اور اپنے علم کو غیر relevant

سمجھنے لگتا ہے۔ یہی Cultural Alienation بعد میں تہذیبی احساسِ کمتری، identity crisis اور ذہنی غلامی کو جنم دیتی ہے۔

اردو نصاب میں یہ بیگانگی صرف زبان یا lifestyle تک محدود نہیں بلکہ worldview کی سطح تک پہنچ جاتی ہے۔ نئی نسل کے ذہن میں ایک طرف مذہبی اور تہذیبی تعلق موجود رہتا ہے، مگر دوسری طرف success ، freedom، individuality، beauty، intelligence اور civilization کے معیارات مغربی modernity سے اخذ ہونے لگتے ہیں۔ نتیجتاً انسان ایک fragmented identity develop کرتا ہے۔ وہ نہ مکمل طور پر اپنی تہذیب میں confident رہتا ہے اور نہ مکمل طور پر مغربی تہذیب کا حصہ بن پاتا ہے۔

یہ fragmentation نفسیاتی سطح پر بھی گہرے اثرات پیدا کرتی ہے۔ انسان outwardly modern دکھائی دیتا ہے مگر inwardly existential emptiness محسوس کرتا ہے۔ اس کی cultural roots کمزور ہو جاتی ہیں اور وہ belongingness crisis کا شکار ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقات میں بعض اوقات material success کے باوجود inner dissatisfaction، anxiety اور identity confusion بڑھتے نظر آتے ہیں۔

استعماری نصاب Cultural Alienation پیدا کرنے کے لیے symbolism کا بھی استعمال کرتا ہے۔ نصابی imagery، illustrations، success stories اور media references کے ذریعے ایک خاص تہذیبی aesthetic کو classroom culture میں normalize کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

- urban western lifestyle = progress
- imported accent = intelligence
- global consumer culture = sophistication

اس normalization کے نتیجے میں نئی نسل اپنی مقامی تہذیبی علامات کو subconsciously inferior محسوس کرنے لگتی ہے۔

اردو ادب کی secular reinterpretation بھی Cultural Alienation کو بڑھاتی ہے۔ جب کلاسیکی ادب کی روحانی، اخلاقی اور تہذیبی جہتوں کو کمزور کرکے اسے صرف aesthetic یا psychological text کے طور پر explain کیا جاتا ہے تو نئی نسل ادب کے ذریعے اپنی تہذیبی continuity محسوس نہیں کر پاتی۔ ادب جو کبھی collective memory اور spiritual imagination کا ذریعہ تھا، آہستہ آہستہ صرف academic subject بن جاتا ہے۔

برصغیری اسلامی تہذیب اس کے برعکس انسان کو rooted identity فراہم کرتی تھی۔ یہاں انسان کی شناخت صرف profession یا social status سے نہیں بنتی تھی بلکہ:

- زبان،
- خاندان،
- مذہب،
- تہذیب،

- collective memory،
- اور روحانی وابستگی

سے بھی جڑی ہوتی تھی۔ انسان اپنے آپ کو ایک بڑی تہذیبی continuity کا حصہ محسوس کرتا تھا۔ یہی continuity اسے psychological stability اور existential meaning فراہم کرتی تھی۔

اسلامی نقطۂ نظر میں انسان کو اپنی تہذیب، اپنی تاریخ اور اپنی زبان سے محبت سکھائی جاتی ہے، مگر یہ محبت تعصب یا isolation پر مبنی نہیں ہوتی۔ اسلام diversity کو قبول کرتا ہے مگر ساتھ ہی اپنی تہذیبی self-respect کو بھی محفوظ رکھتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں دوسری زبانیں سیکھنا، دوسرے علوم سے استفادہ کرنا اور عالمی دنیا سے تعلق رکھنا منع نہیں، مگر اپنی تہذیبی بنیادوں سے کٹ جانا ایک بحران سمجھا جاتا ہے۔

اسی لیے حقیقی decolonization صرف سیاسی آزادی سے ممکن نہیں بلکہ تہذیبی و نفسیاتی آزادی بھی ضروری ہے۔ اردو نصاب کو اس انداز میں reconstruct کرنے کی ضرورت ہے کہ نئی نسل اپنی زبان، اپنی تاریخ،

اپنے ادب اور اپنی تہذیبی روایت کے ساتھ دوبارہ emotionally اور intellectually reconnect کر سکے۔

ایسا نصاب درکار ہے جو:

- اردو کو صرف امتحانی مضمون نہ بنائے،
- بلکہ تہذیبی selfhood کا ذریعہ بنائے،
- ادب کو صرف aesthetic exercise نہ سمجھے،
- بلکہ wisdom collective اور spiritual imagination کا وسیلہ بنائے،
- اور modernity کو blind imitation کے بجائے critical engagement کے ساتھ پڑھائے۔

حقیقی تہذیبی خود مختاری اسی وقت پیدا ہوگی جب نئی نسل مغرب کو صرف imitate کرنے کے بجائے اپنی تہذیب کے ساتھ بھی intellectual confidence حاصل کرے۔ اردو زبان اور اس کی علمی و ادبی روایت اس confidence کی reconstruction میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے۔

ایک balanced literary curriculum وہ ہوگا جو:

- ادب کی جمالیات کو بھی سمجھے،
- اس کی فکری گہرائی کو بھی،
- اس کی روحانی معنویت کو بھی،
- اور اس کے تہذیبی کردار کو بھی۔

ایسا نصاب نئی نسل کو نہ صرف literary appreciation دے گا بلکہ existential depth، تہذیبی continuity اور روحانی شعور بھی فراہم کرے گا۔ اردو ادب کے اندر موجود حکمت، اخلاق اور روحانی imagination آج بھی انسان کو fragmented modern life سے نکال کر ایک زیادہ meaningful existence کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ انہیں صرف سیکولر lenses کے ذریعے محدود نہ کر دیا جائے۔

نتیجہ:

طلبہ

- ادب کو دین سے الگ سمجھتے ہیں
- فکر کو spirituality سے جدا دیکھتے ہیں
- اسلامی intellectual tradition سے محروم ہو جاتے ہیں

4۔ Feminist/Liberal Narrative کی دراندازی

یہ موضوع نہایت احتیاط اور علمی توازن سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

موجودہ رجحان

بعض جدید اردو نصابات میں:

- gender roles
- family structure
- عورت کی آزادی
- marriage
- motherhood

کو مکمل طور پر مغربی لبرل فریم ورک میں پیش کیا جاتا ہے۔

مسئلہ کہاں ہے؟

مسئلہ "خواتین کے حقوق" نہیں۔

اسلام نے عورت کو عظیم مقام دیا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

- خاندان کو oppressive structure دکھانا

- motherhood کو secondary بنانا
- مکمل فردیت کو ideal بنانا
- gender fluidity یا radical equality کی طرف subtle رجحان دینا

یہ سب مغربی postmodern liberalism کے اثرات ہیں۔

جدید اردو نصابات میں نو-استعماری اثرات کی ایک اہم جہت وہ فکری اور تہذیبی بیانیے ہیں جو Liberalism اور بعض اوقات مخصوص Feminist frameworks کے ذریعے داخل ہوتے ہیں۔ یہ موضوع نہایت حساس اور پیچیدہ ہے، اس لیے اسے جذباتی یا ردّ عملی انداز کے بجائے علمی، تہذیبی اور تنقیدی زاویے سے سمجھنا ضروری ہے۔ مسئلہ عورت کے حقوق، عزت یا تعلیم کا نہیں، کیونکہ اسلام اور برصغیری مسلم تہذیب نے عورت کی عزت، تعلیم، وراثت، نکاح، شخصیت اور سماجی وقار کو صدیوں پہلے تسلیم کیا تھا۔ اصل سوال یہ ہے کہ جدید نصابی بیانیے عورت، خاندان، آزادی، جنس، تعلقات اور معاشرتی کردار کو کس worldview کے تحت define کرتے ہیں۔

جدید Liberal–Feminist discourse بنیادی طور پر مغربی تاریخی پس منظر سے پیدا ہوا۔ یورپ میں عورت کی جدوجہد ایک ایسے سماجی و مذہبی context میں سامنے آئی جہاں کلیسا، feudal structures اور patriarchal legal systems نے بعض اوقات عورت کو شدید محرومیوں کا شکار رکھا۔ اس تاریخی پس منظر میں آزادی، مساوات اور individual rights کے تصورات نے ایک احتجاجی اور انقلابی شکل اختیار کی۔ بعد میں یہی discourse عالمی سطح پر universal framework کے طور پر export کیا گیا۔

نو-استعماری نصاب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ان تصورات کو اکثر ان کے مغربی historical context سے الگ کر کے universal truth کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اردو نصاب میں بعض اوقات عورت کی آزادی کو اس انداز میں represent کیا جاتا ہے کہ:

- خاندان ایک restrictive structure محسوس ہونے لگتا ہے،
- مذہبی حدود oppression کے مترادف دکھائی دیتی ہیں،
- motherhood اور domestic roles کو کم تر سمجھا جاتا ہے،

- اور self-fulfillment کو صرف individual autonomy کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔

یہ بیانیہ براہِ راست ہمیشہ مذہب مخالف انداز میں سامنے نہیں آتا بلکہ narratives ،subtle interpretations ،literary role models اور social examples کے ذریعے ذہن سازی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض نصابی اسباق میں "آزاد عورت" کا ideal زیادہ تر اس عورت کے طور پر سامنے آتا ہے جو:

- مکمل economic independence رکھتی ہو،
- traditional roles سے distance رکھتی ہو،
- اور اپنی identity کو primarily individual achievement کے ذریعے define کرتی ہو۔

اس process میں عورت کی روحانی، خاندانی، relational اور تہذیبی جہتیں آہستہ آہستہ پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔

یہاں بنیادی مسئلہ یہ نہیں کہ عورت تعلیم حاصل کرے، معاشرے میں کردار ادا کرے یا اپنی شخصیت develop کرے، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جدید liberal narrative اکثر انسان کو صرف autonomous

کے worldview اسی۔ کرتا ہے define کے طور پر individual
تحت مرد اور عورت دونوں کو بنیادی طور پر self-centered
identities میں transform کیا جاتا ہے، جہاں تعلقات، خاندان،
motherhood، fatherhood اور collective responsibility
secondary position میں چلے جاتے ہیں۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں عورت کا تصور اس سے مختلف تھا۔ یہاں عورت صرف biological role نہیں بلکہ تہذیبی continuity ، اخلاقی formation، روحانی تربیت اور خاندانی stability کا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ ماں کو محض domestic figure نہیں بلکہ نسلوں کی معلمہ تصور کیا جاتا تھا۔ خاندان صرف معاشی institution نہیں بلکہ محبت، تربیت، ذمہ داری اور روحانی تعلقات کا مرکز تھا۔

مگر جدید نو-استعماری discourse بعض اوقات motherhood اور domestic commitment کو backwardness یا محدود identity کے طور پر portray کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگتا ہے کہ:

- اصل آزادی relational detachment =

- اصل کامیابی = individual career achievement
- اصل empowerment = traditional structures سے فاصلے میں ہے

یہ narrative آہستہ آہستہ خاندانی نظام کو کمزور کرتا ہے۔

استعماری و نو-استعماری فکری نظاموں کی ایک بڑی حکمت عملی یہی ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کی بنیادی تہذیبی اکائیوں کو redefine کریں۔ مسلم معاشروں میں خاندان ہمیشہ ایک مضبوط تہذیبی و دینی institution رہا ہے۔ اسی لیے modern liberal discourse اکثر family structures کو individual autonomy کے تناظر میں evaluate کرتا ہے۔ اگر کوئی تعلق انسان کی absolute freedom کو محدود کرے تو اسے بعض اوقات oppressive structure کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

اردو نصابات میں یہ رجحان subtle انداز میں relationship models، literary characters اور social ideals کے ذریعے منتقل ہو سکتا ہے۔ نئی نسل آہستہ آہستہ sacrifice، patience، relational responsibility اور collective identity کے

بجائے personal desire اور self-prioritization کو زیادہ اہم سمجھنے لگتی ہے۔

اس discourse کا ایک اہم پہلو gender identity کی نئ تعبیرات بھی ہیں۔ جدید liberal frameworks بعض اوقات gender کو صرف biological reality کے بجائے subjective identity کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہ تصورات جب عالمی نصابی بیانیوں، NGO-based educational reforms یا imported social frameworks کے ذریعے مسلم معاشروں میں داخل ہوتے ہیں تو وہ مقامی تہذیبی اور دینی تصورات سے تصادم پیدا کرتے ہیں۔

اسلامی تصورِ مردوزن اس کے برعکس complementarity پر قائم ہے، نہ کہ absolute sameness پر۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کی انسانی dignity، روحانی قدر اور اخلاقی ذمہ داری کو تسلیم کرتا ہے، مگر ساتھ ہی فطری فرق اور relational balance کو بھی اہم سمجھتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں مساوات (equality) کا مطلب identical roles نہیں بلکہ عدل، احترام اور متوازن ذمہ داری ہے۔

اسلام عورت کو:

- تعلیم،
- وراثت،
- نکاح میں رضامندی،
- معاشرتی وقار،
- روحانی مقام،
- اور انسانی عزت

دیتا ہے، مگر ساتھ ہی خاندان، حیا، اخلاق اور اجتماعی ذمہ داری کو بھی انسانی زندگی کا اہم حصہ سمجھتا ہے۔ یہی balanced framework برصغیری مسلم تہذیب کی بنیاد بھی تھا۔

نو-استعماری liberal-feminist narratives کا ایک نفسیاتی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ نئی نسل روایتی تہذیبی structures کے ساتھ guilt یا embarrassment محسوس کرنے لگتی ہے۔ مثلاً:

- حجاب کو backwardness،
- خاندانی وابستگی کو dependency،
- اور مذہبی اخلاقیات کو restriction

سمجھا جانے لگتا ہے۔ یہ process دراصل تہذیبی self-alienation کو بڑھاتا ہے۔

اردو ادب کی modern reinterpretation میں بھی بعض اوقات classical female figures کو صرف oppression narratives کے ذریعے explain کیا جاتا ہے، جبکہ ان کے روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور relational dimensions کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں عورت کی identity صرف resistance یا rebellion تک محدود محسوس ہونے لگتی ہے۔

اسلامی و برصغیری نقطۂ نظر اس کے برعکس عورت کو نہ passive object بناتا ہے اور نہ hyper-individualistic self میں dissolve کرتا ہے۔ بلکہ وہ عورت کو:

- اخلاقی،
- روحانی،
- intellectual،
- relational،
- اور تہذیبی

ہستی کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہاں آزادی کا مطلب complete detachment نہیں بلکہ dignified, meaningful and morally grounded existence ہے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ عورت کے موضوع کو نہ تو reactionary انداز میں پڑھایا جائے اور نہ blindly imported liberal frameworks کے تحت۔ بلکہ ایک ایسا balanced approach اختیار کیا جائے جو:

- عورت کی dignity اور تعلیم کو تسلیم کرے،
- اس کی intellectual growth کو اہمیت دے،
- مگر ساتھ ہی خاندان، روحانیت، اخلاق اور تہذیبی continuity کو بھی preserve کرے۔

حقیقی empowerment وہی ہوگی جو عورت کو اپنی تہذیب، اپنی فطرت، اپنی روحانی شناخت اور اپنی انسانی dignity کے ساتھ strengthen کرے، نہ کہ اسے اپنی تہذیبی roots سے psychologically alienate کر دے۔

برصغیری تناظر سے تصادم:

برصغیر کی مسلم تہذیب میں

- خاندان مرکز تھا
- نسلوں کا ربط اہم تھا
- ماں کی تربیتی حیثیت عظیم تھی
- نکاح سماجی و روحانی معاہدہ تھا

جب نصاب مسلسل "hyper-individualism" کو idealize کرتا ہے تو:

- family fragmentation
- loneliness
- identity crisis
- moral instability

بڑھتی ہے۔

اسلامی متبادل:

- عورت کی dignity

- تعلیم
- علم
- معاشی حقوق
- سماجی شرکت

کو تسلیم کرتا ہے،

مگر ساتھ ہی:

- خاندان،
- عفت،
- ذمہ داری،
- اور فطری توازن

کو بھی مرکزی حیثیت دیتا ہے۔

5۔ مذہب کو "نجی معاملہ" بنانا

نصابی رجحان

کئی اردو نصابات میں مذہب کا ذکر صرف:

- اخلاقی نصیحت،

- تہوار،
- یا شخصی عبادت

تک محدود ہوتا ہے۔

جبکہ:

- معیشت،
- سیاست،
- علم،
- تہذیب،
- سماج،
- اور اجتماعی زندگی

کو "سیکولر" انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

اس کے نتائج:

اس سے طالب علم کے ذہن میں یہ تقسیم پیدا ہوتی ہے:

دنیا	مذہب
عملی زندگی	مسجد

دنیا	مذہب
علم وسیاست	عبادت
اجتماعی نظام	ذاتی اخلاق

یہی سیکولر تقسیم استعمار کی بڑی فکری کامیابی تھی۔

اسلامی متبادل:

اسلام میں

- دین = مکمل نظامِ حیات
- علم = عبادت
- سیاست = امانت
- معیشت = اخلاقی ذمہ داری
- زبان = تہذیبی امانت

مذہب کو "نجی معاملہ" بنانا:

سیکولر نو-استعماری بیانیہ

جدید اردو نصابات میں موجود اہم نو-استعماری رجحانات میں سے ایک یہ ہے کہ مذہب کو آہستہ آہستہ "نجی معاملہ (Private Matter)" کے طور پر redefine کیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ تصور مذہبی آزادی، tolerance اور modern pluralism کے نام پر سامنے آتا ہے، مگر اس کے تہذیبی، فکری اور نفسیاتی اثرات نہایت گہرے ہوتے ہیں۔ اس بیانیے کے تحت مذہب کو انسان کی ذاتی عبادات، شخصی عقائد اور انفرادی روحانیت تک محدود کر دیا جاتا ہے، جبکہ سیاست، معیشت، تعلیم، سماج، تہذیب، قانون، نفسیات اور اجتماعی زندگی کو سیکولر اصولوں کے تحت سمجھا اور منظم کیا جاتا ہے۔
یہ تصور براہِ راست ہمیشہ مذہب دشمنی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ زیادہ subtle انداز میں نصاب، language structures، literary interpretation، classroom discourse اور social narratives کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔ طلبہ آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ مذہب انسان کی "private identity" تو ہو سکتا ہے، مگر modern civilization، science، governance، economics اور intellectual life کا اصل میدان سیکولر worldview کے تابع ہے۔

استعماری دور میں برطانوی تعلیمی پالیسی کا ایک بنیادی مقصد یہی تھا کہ مسلم معاشروں کے اندر دین کو اجتماعی اور تہذیبی مرکز سے ہٹا کر شخصی دائرے تک محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ اسلامی تہذیب میں دین صرف عبادات کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ پورا civilization framework تھا۔ اسلام:

- علم،
- اخلاق،
- قانون،
- سیاست،
- معیشت،
- خاندان،
- زبان،
- اور تہذیب

سب کو divine guidance کے ساتھ مربوط دیکھتا تھا۔ اسی لیے استعمار نے سب سے پہلے علم اور مذہب کے تعلق کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔

اردو نصابات میں یہ سیکولر framing مختلف انداز سے نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر:

- مذہب کو اکثر صرف اخلاقی نصیحت تک محدود کر دیا جاتا ہے،
- دینی اصطلاحات کو symbolic انداز میں explain کیا جاتا ہے،
- روحانی شعور کو private spirituality کے طور پر پیش کیا جاتا ہے،
- جبکہ social sciences، politics، economics اور modern knowledge کو مکمل طور پر secular frameworks کے ذریعے پڑھایا جاتا ہے۔

نتیجتاً نئی نسل کے ذہن میں ایک dual structure پیدا ہو جاتا ہے:

- مسجد اور عبادت = مذہب
- دنیا اور نظامِ زندگی = سیکولر اصول

یہ تقسیم اسلامی تہذیب کی اصل روح سے متصادم ہے، کیونکہ اسلام میں دین اور دنیا دو الگ realms نہیں تھے۔ اسلامی civilization میں تجارت، سیاست، تعلیم، عدالت، خاندان اور معاشرت سب اخلاقی و روحانی اصولوں سے جڑے ہوتے تھے۔ "دین" صرف ritual practice نہیں بلکہ ایک comprehensive moral and civilizational order تھا۔

جدید سیکولر نصاب جب مذہب کو صرف private belief system میں تبدیل کرتا ہے تو دراصل وہ انسان کے worldview کو بھی تبدیل کر رہا ہوتا ہے۔ انسان آہستہ آہستہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ:

- spirituality ذاتی چیز ہے،
- مگر حقیقی دنیا power, market اور secular rationality پر چلتی ہے۔

یہی وہ epistemological shift ہے جس نے جدید انسان کے اندر fragmentation پیدا کی ہے۔ outwardly مذہبی وابستگی باقی رہتی ہے مگر inwardly زندگی کے اہم فیصلے سیکولر logic، market culture اور individual desire کے تابع ہونے لگتے ہیں۔

استعماری تعلیمی نظام کی ایک اہم حکمت عملی normalization تھی۔ اگر براہِ راست یہ کہا جاتا کہ "اسلام اجتماعی نظام نہیں" تو شاید شدید ردعمل پیدا ہوتا، اس لیے اس تصور کو gradual normalization کے ذریعے منتقل کیا گیا۔ نصاب، میڈیا، ادب اور institutional culture کے ذریعے یہ perception پیدا کیا گیا کہ:

- modern state سیکولر ہوگی،

- modern educationمذہب سے الگ ہو گی،
- اور religion صرف moral guidance یا personal comfortکا ذریعہ ہو گا۔

یہ process صرف intellectual نہیں بلکہ psychological بھی ہے۔ نئی نسل کے ذہن میں مذہب کی social authority کمزور ہونے لگتی ہے۔ دین آہستہ آہستہ collective consciousness کے بجائے individual spiritualityمیں تبدیل ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں:

- اخلاق relativistic ہونے لگتے ہیں،
- تہذیبی continuity کمزور ہوتی ہے،
- اور انسان کی existential grounding متاثر ہوتی ہے۔

اردو نصاب میں یہ رجحان ادب کی تعبیرات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ کلاسیکی اسلامی ادب جو خدا، روحانیت، اخلاق اور collective moral imaginationسے جڑا ہوا تھا، اسے اکثر صرف psychological symbolismیا aesthetic experience کے طور پر explain کیا جاتا ہے۔ اس طرح ادب کی sacred dimension کمزور ہونے لگتی ہے

اور نئی نسل اپنی تہذیبی روایت کو spiritual reality کے بجائے صرف cultural heritage سمجھنے لگتی ہے۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں مذہب محض نجی معاملہ نہیں تھا بلکہ زندگی کا مرکز تھا۔ بازار میں تجارت بھی اخلاقی اصولوں کے تابع تھی، علم بھی خدا شناسی سے جڑا تھا، سیاست بھی عدل و امانت سے مربوط تھی، اور ادب بھی روحانی و اخلاقی شعور کا ذریعہ تھا۔ یہی integrated worldview اسلامی civilization کی اصل خصوصیت تھی۔

اسلامی تصور میں انسان صرف biological یا economic being نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی وجود ہے۔ اسی لیے اسلام زندگی کو sacred meaning دیتا ہے۔ اگر مذہب کو صرف private emotion یا ritual practice تک محدود کر دیا جائے تو زندگی کے باقی شعبے آہستہ آہستہ spiritual emptiness کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سیکولر معاشروں میں material progress کے باوجود existential anxiety، loneliness، moral confusion اور identity crisis بڑھتے جا رہے ہیں۔

نو-استعماری نصاب کا ایک اہم اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ نئی نسل مذہب کو public discourseمیں inferior محسوس کرنے لگتی ہے۔ مثلاً:

- دینی language کو less intellectual سمجھا جاتا ہے،
- religious worldviewکو irrational یا outdated محسوس کروایا جاتا ہے،
- اور secular vocabulary کو modern sophisticationکی علامت بنایا جاتا ہے۔

یہی process epistemic marginalization پیدا کرتا ہے، یعنی مذہب کو علم اور civilization کے مرکزی discourse سے باہر منتقل کر دیا جاتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر اس کے برعکس علم اور وحی، عقل اور اخلاق، دنیا اور آخرت، فرد اور اجتماع کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔ اسلام نہ دنیا سے فرار سکھاتا ہے اور نہ روحانیت کو صرف private feeling میں محدود کرتا ہے۔ بلکہ وہ انسان کو ایک ایسی integrated identity دیتا ہے جہاں عبادت، اخلاق، علم، سیاست، معیشت اور تہذیب سب خدا کی بندگی کے دائرے میں آجاتے ہیں۔

اسی لیے اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ مذہب کو صرف ritualistic یا symbolic انداز میں نہ پڑھایا جائے بلکہ اسے تہذیبی، اخلاقی اور epistemological framework کے طور پر بھی سمجھایا جائے۔ نئی نسل کو یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ اسلامی تہذیب میں دین صرف مسجد تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ civilization-making force تھا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ نصاب فرقہ وارانہ یا غیر تنقیدی ہو جائے، بلکہ اصل ضرورت یہ ہے کہ اسلام کو اس کی holistic intellectual tradition کے ساتھ پیش کیا جائے۔ ایسا نصاب:

- روحانیت اور عقل کے درمیان توازن پیدا کرے،
- اخلاق اور علم کو reconnect کرے،
- اور انسان کو fragmented identity کے بجائے integrated selfعطا کرے۔

حقیقی decolonization اسی وقت ممکن ہو گی جب نئی نسل مذہب کو صرف private emotion نہیں بلکہ اپنی تہذیبیselfhood ، اخلاقی

imagination اور اجتماعی شعور کے ایک زندہ سرچشمے کے طور پر دوبارہ محسوس کرے۔

اردو نصاب میں "Progress" کا استعماری تصور:

ترقی کی نو-استعماری تعبیر

جدید اردو نصابات میں ایک نہایت اہم اور گہرا استعماری و نو-استعماری رجحان "ترقی (Progress)" کے تصور کی مخصوص تعبیر ہے۔ بظاہر ترقی ایک مثبت، فطری اور universal قدر محسوس ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں "ترقی" کی تعریف ہمیشہ کسی نہ کسی تہذیبی worldview کے تحت تشکیل پاتی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ ترقی ضروری ہے یا نہیں، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ:

- ترقی کسے کہا جائے؟
- کامیاب معاشرہ کون سا ہے؟
- انسان کی حقیقی فلاح کیا ہے؟
- کیا ترقی صرف مادی و معاشی ترقی کا نام ہے؟

- یا اس میں اخلاق، روحانیت، تہذیب اور انسانی توازن بھی شامل ہیں؟

استعماری اور نو-استعماری نصابات میں ترقی کو زیادہ تر مغربی modernity کے تناظر میں define کیا جاتا ہے۔ اس تصور کے مطابق وہی معاشرہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے جو:

- صنعتی طور پر advanced ہو،
- technologically dominant ہو،
- consumer culture رکھتا ہو،
- individual freedom کو absolute value بنائے،
- اور سیکولر طرزِ زندگی اختیار کرے۔

اس framework میں ترقی کا مرکز زیادہ تر:

- economic growth،
- industrialization،
- urbanization،
- consumerism،
- اور material prosperity

بن جاتے ہیں۔

اردو نصابات میں یہ تصور مختلف literary examples، success stories، historical narrativesاور social imagery کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔ اکثر modern urban lifestyle کو ترقی کی علامت کے طور پر دکھایا جاتا ہے جبکہ روایتی، مذہبی یا دیہی طرزِ حیات کو کم modernیا less developed محسوس کروایا جاتا ہے۔ اس process میں نئی نسل کے ذہن میں ایک خاموش تہذیبی hierarchy پیدا ہوتی ہے:

- مغرب = ترقی
- مقامی تہذیب = روایت
- سیکولر modernity = کامیابی
- روحانی و روایتی زندگی = پسماندگی

یہ binary آہستہ آہستہ unconscious level پر internalize ہو جاتی ہے۔

استعمار نے برصغیر میں صرف سیاسی اقتدار قائم نہیں کیا بلکہ "ترقی" کے معیار بھی تبدیل کیے۔ برطانوی تعلیمی نظام نے یہ تصور پھیلایا کہ حقیقی civilizationوہ ہے جو مغربی industrial model کے قریب ہو۔

نتیجتاً مقامی تہذیب، روحانی روایت، خاندانی نظام، صوفیانہ culture اور اخلاقی زندگی کو modern progress کے مقابل کم اہم سمجھا جانے لگا۔

نو-استعماری دور میں یہ process مزید subtle ہو گیا۔ اب براہِ راست colonial domination کے بجائے global media، educational reforms، development discourse اور international institutions کے ذریعے ترقی کے مخصوص models پوری دنیا میں normalize کیے جاتے ہیں۔ اردو نصابات بھی اسی global discourse سے متاثر ہوتے ہیں۔

اس ترقیاتی narrative کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسان کی کامیابی کو زیادہ تر economic productivity اور material achievement کے ذریعے measure کیا جاتا ہے۔ ایک "successful person" وہ سمجھا جاتا ہے جو:

- زیادہ کماتا ہو،
- modern lifestyle رکھتا ہو،
- global culture سے جڑا ہو،
- اور market economy میں زیادہ productive ہو۔

اس process میں انسان کی روحانی، اخلاقی اور relational dimensions کمزور ہونے لگتی ہیں۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں ترقی کا تصور اس سے مختلف تھا۔ یہاں انسان کی کامیابی صرف مادی آسائش یا معاشی قوت سے نہیں ناپی جاتی تھی بلکہ:

- اخلاق،
- علم،
- عدل،
- روحانیت،
- تہذیبی وقار،
- اجتماعی خیر،
- اور inner balance

بھی بنیادی معیارات تھے۔

اسلامی civilization میں شہر، تجارت، علم، سائنس اور فنون موجود تھے، مگر انہیں divine اخلاقیات اور انسانی ذمہ داری سے الگ نہیں کیا جاتا تھا۔ ترقی کا مقصد صرف wealth accumulation نہیں بلکہ ایک متوازن، عادلانہ اور روحانی طور پر meaningful society کی تشکیل تھا۔

جدید نو-استعماری ترقیاتی تصور کا ایک اہم اثر consumer culture کا فروغ بھی ہے۔ نئی نسل کے ذہن میں یہ perception پیدا کیا جاتا ہے کہ خوشی، کامیابی اور modernity زیادہ consumption ، branded lifestyle، dependency technological اور market participation میں موجود ہیں۔ اس process کے نتیجے میں انسان کی خواہشات endless ہو جاتی ہیں اور inner contentment کمزور ہونے لگتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جدید ترقی یافتہ معاشروں میں:

- material comfort بڑھنے کے باوجود،
- loneliness،
- depression،
- anxiety،
- family breakdown،
- اور existential emptiness

بھی بڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ ترقی کا موجودہ ماڈل انسان کو زیادہ تر economic being اور consuming self میں تبدیل کرتا ہے۔

اردو نصابات میں بعض اوقات ترقی کو اس انداز میں idealize کیا جاتا ہے کہ طلبہ کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہو جاتا ہے کہ traditional اخلاقیات، مذہبی وابستگی یا روحانی طرزِ زندگی modern success کے ساتھ compatible نہیں۔ یہی Cultural Alienation کا آغاز ہوتا ہے۔ نئی نسل outwardly modern بننے کی کوشش کرتی ہے مگر inwardly اپنی تہذیبی roots سے disconnect محسوس کرنے لگتی ہے۔

استعماری ترقیاتی narrative کا ایک اہم psychological effect یہ بھی ہے کہ نئی نسل اپنی مقامی تہذیب کے بارے میں inferiority complex develop کرتی ہے۔ دیہی سادگی، روایتی خاندانی structures، مذہبی وابستگی اور مقامی ثقافتی علامات کو بعض اوقات less sophisticated سمجھا جانے لگتا ہے۔ اس process میں انسان اپنی تہذیبی continuity سے emotionally detach ہونے لگتا ہے۔

اسلامی تصورِ ترقی اس کے برعکس زیادہ balanced اور holistic ہے۔ اسلام دنیاوی ترقی کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ علم، تجارت، civilization building، technology اور انسانی فلاح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مگر

اسلام ترقی کو صرف مادّی قوت تک محدود نہیں کرتا۔ قرآن میں "فلاح" کا تصور محض economic success نہیں بلکہ ہمہ جہتی کامیابی ہے، جس میں:

- روحانی سکون،
- اخلاقی پاکیزگی،
- عدل،
- انسان دوستی،
- اور خدا سے تعلق

بھی شامل ہیں۔

اسلامی civilization میں ترقی کا مقصد صرف powerful state یا wealthy market بنانا نہیں بلکہ ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جہاں انسان:

- outwardly آباد،
- inwardly مطمئن،
- morally responsible،
- اور spiritually connected

ہو۔

اردو ادب کی کلاسیکی روایت بھی اسی balanced vision کی نمائندگی کرتی ہے۔ اقبال کے ہاں ترقی صرف صنعتی قوت نہیں بلکہ "خودی"، روحانی بیداری اور اخلاقی vitality ہے۔ حالی، شبلی اور اکبر الہ آبادی modernity کے بعض پہلوؤں سے استفادہ کی حمایت کرتے ہیں مگر blind imitation کے ناقد بھی ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی ترقی وہ ہے جو تہذیبی selfhood کو محفوظ رکھتے ہوئے حاصل کی جائے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ "ترقی" کے تصور کو دوبارہ تنقیدی انداز میں evaluate کیا جائے۔ نئی نسل کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ:

- modern science اہم ہے،
- technology مفید ہے،
- economic development ضروری ہے،

مگر اگر ترقی:

- روحانیت کو ختم کر دے،
- خاندان کو توڑ دے،
- اخلاق کو کمزور کر دے،

- اور انسان کو صرف consumer identity میں بدل دے،

تو وہ مکمل ترقی نہیں بلکہ تہذیبی imbalance بھی پیدا کر سکتی ہے۔

ایک balanced اردو نصاب وہ ہوگا جو modern knowledge سے engagement بھی کرے اور اپنی تہذیبی و روحانی بنیادوں کو بھی محفوظ رکھے۔ ایسا نصاب نئی نسل کو یہ شعور دے سکتا ہے کہ حقیقی civilization صرف outward progress نہیں بلکہ inward maturity ، moral balance اور spiritual meaning بھی رکھتی ہے۔

6۔ قومی ریاست (Nation-State) کو مطلق حقیقت بنانا

جدید نصابی رجحان:

بعض اردو نصابات میں "قوم" کا تصور مکمل طور پر مغربی Nation-State ماڈل کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔

اس میں:

- امت،
- دینی اخوت،
- تہذیبی وحدت،

- اور اسلامی عالمی شعور

کمزور ہو جاتے ہیں۔

استعمار سے تعلق:

استعمار نے مسلم دنیا کو

- قومیت،
- زبان،
- نسل،
- جغرافیہ

کی بنیادوں پر تقسیم کیا۔

اس لیے جب نصاب صرف territorial nationalism کو absolute بناتا ہے تو:

- امت کا شعور کمزور ہو جاتا ہے۔

اسلامی متبادل:

اسلام

- مقامی حب الوطنی کو قبول کرتا ہے
- مگر اسے "امت" سے اوپر نہیں رکھتا

اسلامی تصور:

Local identity + Civilizational unity

پر قائم ہے۔

6۔ قومی ریاست (Nation-State) کو مطلق حقیقت بنانا

استعماری سیاسی بیانیہ:

جدید اردو نصابات میں موجود اہم نو-استعماری رجحانات میں سے ایک "قومی ریاست (Nation-State) "کے تصور کو اس انداز میں پیش کرنا ہے کہ گویا یہی انسانی سیاسی و تہذیبی تنظیم کی آخری، فطری اور مطلق شکل ہے۔ بظاہر قومیت، وطن سے محبت اور ریاستی نظم ایک مثبت اور ضروری تصور محسوس ہوتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ہر معاشرے کو سیاسی نظم، اجتماعی استحکام اور سماجی وحدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب Nation-State کو صرف ایک سیاسی انتظامی structure کے بجائے supreme loyalty اور ultimate identity میں تبدیل کر دیا جائے۔

جدید Nation-State کا تصور بنیادی طور پر یورپی تاریخی پس منظر سے پیدا ہوا۔ یورپ میں مذہبی جنگوں، سلطنتوں کے زوال، سرمایہ دارانہ معیشت کے فروغ اور modern sovereignty کے تصور نے قومی ریاست کو جنم دیا۔ بعد میں colonial powers نے یہی political model پوری دنیا میں export کیا۔ برصغیر سمیت مسلم دنیا میں بھی جدید ریاستی structuresاسی colonial framework کے تحت تشکیل پائے۔ نتیجتاً نئی سیاسیboundaries ، نئی national identities اور نئی state-centered loyaltiesپیدا ہوئیں۔

اردو نصابات میں یہ تصور مختلف تاریخیnarratives ، civic education، قومی symbols اور ریاستی بیانیوں کے ذریعے اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ نئی نسل آہستہ آہستہ Nation-State کو اپنی ultimate identity سمجھنے لگتی ہے۔ اس process میں امت، تہذیبی continuity، دینی اخوت اور broader اسلامی consciousness کمزور ہونے لگتی ہے۔

یہاں بنیادی مسئلہ وطن سے محبت نہیں، کیونکہ اسلام اپنے وطن، زمین، معاشرے اور لوگوں سے محبت کی نفی نہیں کرتا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے مکہ سے محبت کا اظہار فرمایا، اسلامی تہذیب میں مقامی شناختیں بھی موجود رہیں، مگر ان سب کے اوپر ایک وسیع تر اخلاقی و روحانی اخوت موجود تھی جسے "امت" کہا جاتا تھا۔ جدید نو-استعماری نصاب بعض اوقات Nation-State کو اس انداز میں absolute بنادیتا ہے کہ مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی وابستگیاں secondary محسوس ہونے لگتی ہیں۔

اردو نصابات میں قومیت کے بعض بیانیے اس انداز میں ترتیب دیے جاتے ہیں کہ ریاستی identity ہی انسان کی اصل collective identity محسوس ہونے لگتی ہے۔ نئی نسل کو یہ تاثر ملتا ہے کہ:

- loyalty کی آخری حد ریاست ہے،
- تاریخ کا اصل محور قومی ریاست ہے،
- اور civilization کی بنیادی اکائی صرف modern nation ہے۔

اس process میں اسلامی civilization کی transnational nature کمزور ہونے لگتی ہے۔ حالانکہ اسلامی تہذیب صدیوں تک مختلف نسلوں، زبانوں، علاقوں اور ثقافتوں کو ایک وسیع spiritual اور moral civilization کے اندر جوڑتی رہی۔

استعماری طاقتوں نے مسلم دنیا میں Nation-State structures کو صرف انتظامی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ انہیں تہذیبی fragmentation کے لیے بھی استعمال کیا۔ colonial borders نے تاریخی، تہذیبی اور دینی وحدتوں کو تقسیم کر دیا۔ نئی نسلوں کو اس انداز میں تعلیم دی گئی کہ ان کی اصل loyalty صرف مخصوص geographical state کے ساتھ ہو، جبکہ broader civilizational consciousness آہستہ آہستہ کمزور پڑتی گئی۔

نو-استعماری نصابات میں بعض اوقات تاریخ کو بھی purely nationalist lens کے ذریعے explain کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں طلبہ اپنے ماضی کو صرف modern state formation کے تناظر میں سمجھنے لگتے ہیں، جبکہ تہذیبی، دینی اور intellectual continuities پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔ اسلامی civilization جو صدیوں تک علم، روحانیت، تجارت، فلسفہ، ادب اور اخلاقی تصورات کے ذریعے مختلف خطوں کو جوڑتی رہی، اسے بعض اوقات صرف fragmented regional histories میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

یہ narrative ایک psychological effect بھی پیدا کرتا ہے۔ نئی نسل کی identity increasingly state-centered ہو جاتی ہے۔ انسان اپنی تہذیبی اور روحانی belongingness کے بجائے صرف bureaucratic citizenship کے ذریعے خود کو define کرنے لگتا ہے۔ یہی modern political imagination کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

اس process کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ Nation-State کو اکثر secular political framework کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ یعنی ریاست کو ایک ایسی entity سمجھا جاتا ہے جو مذہب، تہذیب اور روحانی اقدار سے "neutral" ہو۔ بظاہر neutrality ایک مثبت تصور محسوس ہوتی ہے، مگر عملی طور پر یہ اکثر سیکولر modernity کو normalize کرتی ہے۔ نتیجتاً مذہب آہستہ آہستہ public civilization کے بجائے private identity میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں سیاسی نظم ضرور موجود تھا، مگر ultimate loyalty صرف سیاسی structure کے ساتھ نہیں بلکہ:

- دین،

- اخلاق،
- امت،
- اور عدل

کے ساتھ بھی جڑی ہوتی تھی۔ اسلامی civilization کی وحدت صرف territorialنہیں بلکہ moral and spiritual unity بھی تھی۔ مختلف سلطنتیں، زبانیں اور ثقافتیں ہونے کے باوجود ایک وسیع تہذیبی consciousnessموجود تھی۔

اسلامی تصور میں ریاست خود مقصد نہیں بلکہ وسیلہ ہے۔ اصل مقصد:

- عدل،
- انسانیdignity ،
- اخلاقی نظم،
- اور خدا کی بندگی

ہے۔ اگر ریاست ان اصولوں سے disconnect ہوجائے تو صرف political sovereigntyکافی نہیں رہتی۔ اسی لیے اسلامی فکر میں طاقت، قانون اور governance ہمیشہ اخلاقی accountability کے تابع سمجھے جاتے تھے۔

نو-استعماری نصابات میں بعض اوقات Nation-State کو sacred political identityکے طور پر normalize کر دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی نسل civilization کے بجائے صرف state structures کے اندر سوچنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ global modernity میں بہت سے لوگ اپنی spiritual اور تہذیبی belongingness کھو بیٹھتے ہیں اور identity کو صرف citizenship یا nationality کے ذریعے defineکرتے ہیں۔

اسلامی و برصغیری نقطۂ نظر اس کے برعکس layered identity پیش کرتا ہے۔

انسان:

- اپنے خاندان سے بھی وابستہ ہوتا ہے،
- اپنے شہر اور وطن سے بھی،
- اپنی تہذیب سے بھی،
- اور امت سے بھی۔

یہ identities ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتیں بلکہ balanced structureکا حصہ ہوتی ہیں۔ وطن سے محبت، مقامی ثقافت کا احترام اور

ریاستی نظم کی اہمیت اپنی جگہ موجود رہتی ہے، مگر انہیں ultimate sacred identity میں تبدیل نہیں کیا جاتا۔

اردو ادب کی کلاسیکی روایت بھی اسی وسیع تہذیبی imagination کی نمائندگی کرتی ہے۔ اقبال کے ہاں وطنیت کی محدود شکل پر تنقید دراصل اسی خطرے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قومیت اخلاقی و روحانی بنیادوں سے کٹ جائے تو وہ انسان کو محدود political identity میں قید کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی اصل عظمت صرف territorial nationalism میں نہیں بلکہ spiritual selfhood اور collective اخلاقی شعور میں ہے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ Nation-State کو نہ تو demonize کیا جائے اور نہ absolute بنایا جائے۔ نئی نسل کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ:

- ریاست ضروری ہے،
- سیاسی نظم اہم ہے،
- وطن سے محبت فطری ہے،

مگر انسان کی identity صرف bureaucratic citizenship تک محدود نہیں۔ اس کی تہذیبی، اخلاقی، روحانی اور انسانی وابستگیاں بھی equallyاہم ہیں۔

ایک balanced اردو نصاب وہ ہوگا جو:

- healthy civic responsibilityپیدا کرے،
- وطن سے محبت سکھائے،
- مگر ساتھ ہی broader civilizational consciousnessاور انسانی اخوت کو بھی محفوظ رکھے۔

حقیقی تہذیبی selfhood اسی وقت ممکن ہوگی جب نئی نسل اپنی ریاستی شناخت کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیبی، روحانی اور اخلاقی continuity کو بھی سمجھ سکے۔

7۔ لسانی اشرافیہ (Linguistic Elite) کی تشکیل

موجودہ صورتحال:

اردو نصاب بظاہر اردو پڑھاتا ہے، مگر پورا تعلیمی نظام یہ پیغام دیتا ہے کہ:

- اصل علم انگریزی میں ہے
- اصل status انگریزی سے ملتا ہے
- اردو صرف امتحان پاس کرنے کا مضمون ہے

نتیجہ:

اس سے معاشرے میں دو طبقات پیدا ہوتے ہیں:

خصوصیات	طبقہ
اقتدار، وسائل، confidence	English Elite
احساسِ کمتری، محدود مواقع	Urdu Population

یہ کیوں خطرناک ہے؟

کیونکہ:

- زبان = طاقت
- زبان = علمی رسائی
- زبان = شناخت

جب زبان کمزور ہوتی ہے تو پوری تہذیب کمزور ہوتی ہے۔

لسانی اشرافیہ (Linguistic Elite) کی تشکیل:

استعماری لسانی درجہ بندی:

استعمار کا ایک نہایت طاقتور اور دیرپا ہتھیار زبان کے ذریعے سماجی، ذہنی اور تہذیبی طبقات پیدا کرنا ہوتا ہے۔ برطانوی استعمار نے برصغیر میں صرف سیاسی اقتدار قائم نہیں کیا بلکہ ایک ایسا لسانی نظام بھی تشکیل دیا جس کے ذریعے معاشرے کے اندر ایک نئی "لسانی اشرافیہ (Linguistic Elite)" پیدا کی گئی۔ اس طبقے کی شناخت صرف تعلیم یا معاشی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مخصوص زبان، مخصوص لہجے، مخصوص cultural behaviorاور مخصوص intellectual orientation سے متعین ہونے لگی۔

جدید اردو نصابات اور تعلیمی نظام میں یہ نو-استعماری رجحان آج بھی مختلف صورتوں میں موجود ہے۔ بظاہر اردو زبان کو قومی یا تعلیمی زبان کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، مگر عملی سطح پر انگریزی کوprestige ، authority، intelligence، professionalismاور success کی زبان بنادیا گیا ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں دو متوازی علمی و سماجی دنیائیں پیدا ہو گئی ہیں:

- ایک وہ طبقہ جو انگریزی کے ذریعے اقتدار، confidence، institutional privilege اور academic access حاصل کرتا ہے،
- اور دوسرا وہ طبقہ جو اردو یا مقامی زبانوں کے ساتھ وابستہ رہنے کے باوجود خود کو کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہ صرف linguistic difference نہیں بلکہ ایک مکمل power structure ہے۔

استعمار نے برصغیر میں شروع ہی سے زبان کو governance اور social hierarchy کے آلے کے طور پر استعمال کیا۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کا مقصد صرف تعلیم دینا نہیں تھا بلکہ ایک ایسا intermediary class پیدا کرنا تھا جو:

"خون اور رنگ میں ہندوستانی مگر taste, opinions, morals اور intellect میں انگریز ہو۔"

یہی وہ طبقہ تھا جو بعد میں colonial bureaucracy، administration اور intellectual discourse کا مرکز بنا۔

انگریزی صرف communication tool نہیں رہی بلکہ social mobility اور political access کی کنجی بن گئی۔

جدید اردو نصابات میں یہ hierarchy براہِ راست ہمیشہ نظر نہیں آتی، مگر hidden curriculum کے ذریعے مسلسل reinforce ہوتی رہتی ہے۔ طلبہ آہستہ آہستہ یہ سیکھتے ہیں کہ:

- انگریزی = sophistication
- انگریزی = intelligence
- انگریزی = leadership
- انگریزی = global success

جبکہ اردو کو اکثر:

- emotional language،
- cultural subject،
- یا secondary medium

کے طور پر treat کیا جاتا ہے۔

یہ process نئی نسل کے اندر linguistic inferiority complex پیدا کرتا ہے۔ بہت سے طلبہ اپنی مادری زبان میں اظہار کرتے ہوئے

ہچکچاہٹ hesitation محسوس کرتے ہیں، جبکہ انگریزی میں کمزور ہونے کے باوجود اسے superior language سمجھتے ہیں۔ یہی psychological colonization کی ایک اہم شکل ہے۔

لسانی اشرافیہ کی تشکیل صرف زبان تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے social imagination کو متاثر کرتی ہے۔ مخصوص accent، مخصوص vocabulary، مخصوص educational institutions اور مخصوص cultural exposure آہستہ آہستہ social status کی علامت بن جاتے ہیں۔ نتیجتاً language class division پیدا کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے معاشروں میں elite schools، elite professions اور elite institutions عملاً linguistic filtering کے ذریعے operate کرتے ہیں۔ جو طبقہ انگریزی medium education تک رسائی رکھتا ہے وہ:

- بہتر confidence،
- institutional networking،
- global opportunities،
- اور policy-making spaces

تک پہنچ جاتا ہے، جبکہ مقامی زبانوں سے وابستہ طبقے structural disadvantage کا شکار رہتے ہیں۔

استعماری نظام کا ایک بڑا مقصد یہی تھا کہ ایک ایسا indigenous elite پیدا کیا جائے جو ظاہری طور پر مقامی ہو مگر فکری اور تہذیبی طور پر colonial worldview کا نمائندہ ہو۔ یہی elite بعد میں استعمار کے بعد بھی colonial structures کو maintain کرتی رہی۔ نو-استعماری دور میں یہ process مزید sophisticated ہو گیا، جہاں global capitalism، international education systems اور media culture نے linguistic elitism کو مزید مضبوط کر دیا۔

اردو نصابات میں اس رجحان کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اردو کو اکثر صرف ادب، شاعری یا جذباتی اظہار کی زبان کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ science، technology، philosophy، law اور advanced research کو انگریزی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کے نتیجے میں نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور بیٹھ جاتا ہے کہ:

- اردو = culture
- انگریزی = knowledge

یہی epistemic hierarchy دراصل علمی استعمار (Epistemic Colonialism) کی بنیاد بنتی ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زبان بذاتِ خود superior یا inferior نہیں ہوتی۔ ہر زبان انسانی تجربے، تہذیبی شعور اور علمی امکانات کی حامل ہوتی ہے۔ اگر کسی زبان میں advanced knowledge کم ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ زبان inherently ناقص ہے، بلکہ یہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی power structures کا نتیجہ ہوتا ہے۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں زبان کو اس طرح طبقاتی برتری کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ اسلامی civilization میں عربی، فارسی، ترکی، اردو، پشتو، ملیالم، سواحلی اور دیگر زبانوں میں عظیم علمی سرمایہ پیدا ہوا۔ زبان کا مقصد تہذیبی و علمی اظہار تھا، نہ کہ psychological domination ۔

اسلامی تصور میں فضیلت زبان، نسل یا قومیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقویٰ، علم اور اخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ قرآن مختلف زبانوں کو اللہ کی نشانی قرار دیتا ہے۔ اس لیے کسی زبان کو inherently superior اور دوسری کو inferior سمجھنا اسلامی تہذیبی روح سے مطابقت نہیں رکھتا۔

لسانی اشرافیہ کی تشکیل کا ایک خطرناک اثر cultural alienation بھی ہے۔ جب elite class اپنی زبان، تہذیب اور عوامی culture سے emotionally detach ہو جائے تو معاشرے کے اندر تہذیبی fragmentation پیدا ہونے لگتی ہے۔ elite class کی aspirations، aesthetics، habits language اور worldview عام عوام سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً ایک divided consciousness پیدا ہوتی ہے۔

اردو ادب اور تہذیبی روایت historically مختلف طبقات کو جوڑنے کا ذریعہ تھی۔ اردو صرف elite language نہیں بلکہ shared civilizational language تھی۔ اس میں مذہبی شعور، صوفیانہ روایت، عوامی culture، اخلاقی imagination اور علمی discourse سب شامل تھے۔ مگر جدید linguistic elitism نے اردو کو آہستہ آہستہ symbolic language میں تبدیل کر دیا جبکہ power structures انگریزی کے گرد organize ہونے لگے۔

یہ process نئی نسل کے اندر دوہرا نفسیاتی بحران بھی پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اپنی زبان اور تہذیب سے مکمل طور پر الگ نہیں ہو سکتے، دوسری

طرف success اور prestige کے لیے انہیں ایک دوسری linguistic identityاختیار کرنا پڑتی ہے۔یہی fragmented self بعد میں تہذیبی بے سمتی، insecurityاور identity conflict کو جنم دیتا ہے۔

اسلامی و تہذیبی نقطۂ نظر اس کے برعکس balanced multilingualismکی حمایت کرتا ہے۔ اسلام علم کے حصول کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہو، مگر ساتھ ہی اپنی تہذیبی زبان اور اجتماعی شعور کو محفوظ رکھنے پر بھی زور دیتا ہے۔ ایک healthy civilizationوہ ہوتی ہے جو:

- عالمی زبانوں سے بھی فائدہ اٹھائے،
- مگر اپنی تہذیبی زبان کو inferior نہ سمجھے،
- اور علم واقتدار کو صرف ایک foreign language تک محدود نہ کرے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ اردو کو صرف cultural nostalgiaیا symbolic identity کے طور پر نہ پڑھایا

جائے بلکہ اسے دوبارہ علمی، فکری اور تہذیبی مرکزیت دی جائے۔ نئی نسل کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ اردو:

- صرف شاعری کی زبان نہیں،
- بلکہ فلسفہ،
- تاریخ،
- تہذیب،
- نفسیات،
- مذہبی علوم،
- اور collective memory

کی بھی زبان ہے۔

ایک متوازن نصاب وہ ہوگا جو:

- انگریزی سمیت دیگر عالمی زبانوں کی اہمیت کو تسلیم کرے،
- مگر linguistic hierarchy پیدا نہ کرے،
- اور اردو کو dignity, knowledge اور intellectual creativity کی زبان کے طور پر بحال کرے۔

حقیقی decolonization اسی وقت ممکن ہو گی جب زبان کو دوبارہ عزت، علم، تہذیب اور اجتماعی خودی کے ساتھ reconnect کیا جائے، نہ کہ صرف market utility کے تابع کر دیا جائے۔

8۔ مغربی سائنسی مادیت کا غیر تنقیدی غلبہ

نصابی رجحان:

بعض اردو اسباق میں:

- کائنات،
- انسان،
- فطرت،
- ترقی

کو purely materialistic انداز میں explain کیا جاتا ہے۔

نتیجہ:

اس سے

- metaphysical consciousness کمزور ہوتی ہے

- divine purposeغائب ہو جاتا ہے
- انسان صرف biological entity بن جاتا ہے

اسلامی متبادل:

اسلامی worldview میں:

- کائنات = آیات
- علم = معرفت
- عقل + وحی = تکمیلی ذرائع
- سائنس = divine order کیexploration

مغربی سائنسی مادیت کا غیر تنقیدی غلبہ:

سائنسیت (Scientism) کا نو-استعماری بیانیہ:

جدید اردو نصابات میں موجود اہم نو-استعماری رجحانات میں سے ایک "مغربی سائنسی مادیت (Western Scientific Materialism)" کا غیر تنقیدی غلبہ ہے۔ یہاں بنیادی مسئلہ سائنس یا سائنسی تحقیق نہیں، کیونکہ اسلام اور برصغیری مسلم تہذیب نے علم، مشاہدہ، عقل اور فطری دنیا کے مطالعے کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جدید نصابی

بیانیوں میں سائنس کو صرف ایک تحقیقی طریقۂ کار (methodology) کے بجائے ایک مکمل worldview کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اور اکثر اس worldview کو unquestioned truth سمجھ لیا جاتا ہے۔

یہاں "سائنس" اور "سائنسی مادیت" کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ سائنس فطری دنیا کے مشاہدے، تجربے اور تجزیے کا ایک منظم طریقہ ہے، جبکہ سائنسی مادیت (Scientific Materialism) ایک فلسفیانہ نظریہ ہے جو یہ فرض کرتا ہے کہ:

- حقیقت صرف مادّی (material) ہے،
- جو چیز measurable نہ ہو وہ حقیقی نہیں،
- روح، وحی، metaphysics اور transcendence غیر سائنسی یا irrelevant ہیں،
- اور انسان محض biological اور chemical processes کا مجموعہ ہے۔

جدید نو-استعماری نصابات میں اکثر یہی مادّی worldview غیر محسوس انداز میں normalize کیا جاتا ہے۔

اردو نصابات میں یہ رجحان مختلف انداز میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

- عقل اور سائنس کو absolute authority کے طور پر پیش کیا جاتا ہے،
- روحانی یا metaphysical dimensions کو symbolic یا subjective سمجھا جاتا ہے،
- مذہبی شعور کو بعض اوقات صرف emotional comfort یا اخلاقی روایت کے طور پر explain کیا جاتا ہے،
- جبکہ "حقیقی علم" کو empirical science کے ساتھ identify کیا جاتا ہے۔

اس process میں نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگتا ہے کہ صرف وہی چیز "حقیقی" ہے جو laboratory ، measurement یا physical observation کے ذریعے ثابت ہو سکے۔

یہ worldview Enlightenment کے بعد مغرب میں پیدا ہونے والی سائنسی و فلسفیانہ تبدیلیوں سے جڑا ہوا ہے۔ یورپ میں کلیسا کے بعض تاریخی جبر اور مذہبی conflicts کے ردعمل میں عقل، تجربہ اور مادّی دنیا کے مطالعے کو مذہب کے مقابل لا کر کھڑا کیا گیا۔ بعد میں positivism ،

empiricismاور materialism نے اس تصور کو مزید مضبوط کیا کہ حقیقت کو صرف measurable reality تک محدود سمجھا جائے۔

استعمار نے اسی worldview کو universal civilization model کے طور پر پوری دنیا میں export کیا۔ نتیجتاً مسلم معاشروں میں بھی جدید تعلیم آہستہ آہستہ metaphysical اور spiritual dimensions سے detached ہونے لگی۔ اردو نصابات اسی broader intellectual climateسے متاثر ہوئے۔

اس نو-استعماری narrative کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ "سائنسی" ہونے کو اکثر "غیر مذہبی" یا "غیر روحانی" ہونے کے ساتھ implicitly جوڑ دیا جاتا ہے۔ نئی نسل کے ذہن میں یہ perception پیدا ہونے لگتا ہے کہ:

- religion = faith or emotion
- science = real knowledge

یہ binary اسلامی تہذیب کی اصل علمی روایت سے متصادم ہے، کیونکہ اسلامی civilization میں عقل، تجربہ، وحی اور روحانیت ایک دوسرے کی ضد نہیں تھے۔

مسلم سائنسدانوں اور مفکرین نے کائنات کے مطالعے کو خدا کی نشانیوں کے فہم کا ذریعہ سمجھا۔ ابن الہیثم، البیرونی، ابن سینا اور دیگر مسلم اہلِ علم کے نزدیک سائنس صرف technical knowledge نہیں بلکہ divine order کی understanding بھی تھی۔ اسلامی worldview میں کائنات بے مقصد مادّی chaos نہیں بلکہ ایک meaningful creation ہے۔

مگر جدید سائنسی مادیت انسان کو increasingly mechanical being میں تبدیل کرتی ہے۔ انسان کو biological machine، economic unit یا neurological system کے طور پر define کیا جانے لگتا ہے۔ روح، اخلاق، sacred meaning اور existential purpose آہستہ آہستہ secondary position میں چلے جاتے ہیں۔ اردو نصابات میں بعض اوقات modern science کو اس انداز میں idealize کیا جاتا ہے کہ طلبہ کے ذہن میں یہ تصور بیٹھ جاتا ہے کہ traditional wisdom، spiritual knowledge یا religious metaphysics obsolete ہیں۔ اس process کے نتیجے میں نئی نسل

اپنی تہذیبی و روحانی روایت سے intellectually disconnect ہونے لگتی ہے۔

یہ disconnect صرف فکری نہیں بلکہ نفسیاتی بھی ہے۔ جب انسان کی پوری reality کو مادّی processes تک محدود کر دیا جائے تو:

- زندگی کا sacred meaning کمزور ہونے لگتا ہے،
- اخلاق relativistic بننے لگتے ہیں،
- اور existential emptiness بڑھنے لگتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جدید technologically advanced societies میں material progress کے باوجود anxiety ، depression، loneliness اور meaninglessness جیسے بحران بڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ سائنسی مادیت انسان کو explain تو کرتی ہے مگر ہمیشہ existential fulfillment فراہم نہیں کر سکتی۔

استعماری و نو-استعماری نصابات میں "ترقی" اور "سائنسی ذہن" کو بعض اوقات اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ روحانیت یا مذہبی وابستگی anti-modern محسوس ہونے لگتی ہے۔ نتیجتاً نئی نسل inwardly fragmented identity develop کرتی ہے:

- outwardly modern-scientific self
- inwardly spiritual uncertainty

یہ fragmentation تہذیبی continuity کو بھی کمزور کرتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر اس کے برعکس علم کی زیادہ holistic understanding پیش کرتا ہے۔ اسلام عقل، تحقیق، observation اور scientific inquiry کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی مانتا ہے کہ حقیقت صرف مادّی dimensions تک محدود نہیں۔ انسان:

- جسم بھی ہے،
- روح بھی،
- عقل بھی،
- اخلاقی وجود بھی،
- اور divine accountability رکھنے والی ہستی بھی۔

اسلامی civilization میں علم صرف empirical data نہیں بلکہ wisdom بھی تھا۔ قرآن repeatedly انسان کو:

- کائنات میں غور،
- تاریخ پر reflection ،

- نفس کی معرفت،
- اور divine signs کی understanding

کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں سائنس اور spirituality ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ complementary dimensions ہیں۔

برصغیری اسلامی تہذیب میں بھی علم کو صرف material utility تک محدود نہیں کیا جاتا تھا۔ مدرسہ، خانقاہ، فلسفہ، طب، فلکیات، ادب اور اخلاقیات سب ایک integrated intellectual culture کا حصہ تھے۔ انسان کی تربیت صرف technical skill نہیں بلکہ moral and spiritual maturity کے ساتھ جڑی ہوتی تھی۔

مغربی سائنسی مادیت کا غیر تنقیدی غلبہ اردو نصابات میں اس لیے خطرناک بنتا ہے کیونکہ یہ آہستہ آہستہ metaphysical imagination کو کمزور کرتا ہے۔ نئی نسل observable reality کو ہی ultimate reality سمجھنے لگتی ہے۔ نتیجتاً:

- sacred symbolism،
- روحانی شعور،
- دینی language ،

- اور تہذیبی wisdom

آہستہ آہستہ irrelevant محسوس ہونے لگتے ہیں۔

اسلامی و تہذیبی متبادل یہ نہیں کہ سائنس کو reject کر دیا جائے یا جدید علم سے دوری اختیار کی جائے۔ بلکہ اصل ضرورت critical engagement کی ہے۔ نئی نسل کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ:

- سائنس اہم ہے،
- empirical knowledge valuable ہے،
- technology مفید ہے،

مگر سائنس بذاتِ خود complete worldview نہیں۔ انسان کی حقیقت صرف مادّی dimensions سے زیادہ وسیع ہے۔

اردو نصاب کی reconstruction کے لیے ضروری ہے کہ:

- سائنس کو علمی humility کے ساتھ پڑھایا جائے،
- metaphysical questions کو irrelevant نہ سمجھا جائے،
- اور روحانیت، اخلاق اور existential meaning کو بھی انسانی علم کا حصہ تسلیم کیا جائے۔

ایک balanced نصاب وہ ہو گا جو:

- scientific inquiry کو promote کرے،
- مگر scientism کو absolute truth نہ بنائے،
- modern knowledge سے engagement بھی کرے،
- اور انسان کی روحانی و تہذیبی بنیادوں کو بھی محفوظ رکھے۔

حقیقی علمی آزادی اسی وقت ممکن ہو گی جب نئی نسل سائنس کو استعمال کرنا سیکھے مگر اپنی metaphysical imagination، روحانی selfhood اور تہذیبی wisdom سے بھی disconnected نہ ہو۔

نصابی زبان کا نفسیاتی اثر:

استعماری نصاب صرف concepts نہیں دیتا بلکہ psychological conditioning بھی کرتا ہے۔

مثلاً:

- urban elite names
- westernized environments
- imported lifestyles

- detached family structures

طلبہ میں subconscious imitation پیدا کرتے ہیں۔

یہی وہ چیز ہے جسے ”Internalization of Inferiority“ کہا گیا ہے۔

مجموعی تجزیاتی نتیجہ:

اردو نصاب کے اندر نو-استعماری اثرات کئی سطحوں پر کام کرتے ہیں:

سطح	استعماری اثر
زبان	انگریزی مرکزیت
ادب	سیکولر تعبیر
تہذیب	مغربی معیار
انسان	فردیت
خاندان	کمزور مرکزیت
علم	مادیت
شناخت	تہذیبی بے سمتی
مذہب	نجی معاملہ

استعماری اثر	سطح
مادیachievement	کامیابی

اسلامی و برصغیری متبادل کی عملی جہات:

مطلوبہ نصابی اصول:

1۔ توحیدی علمیات

علم کو خدا سے منقطع نہ کیا جائے۔

2۔ تہذیبی خود اعتمادی

اردو کو تہذیبی زبان کے طور پر restore کیا جائے۔

3۔ تنقیدی مغرب شناسی

مغرب کو blindly idealize نہ کیا جائے۔

4۔ اخلاقی ادب

ادب کو character formation سے جوڑا جائے۔

5۔ امت و تہذیب کا شعور

صرف nation–state consciousness نہ دی جائے۔

6۔ لسانی انصاف

اردو و مقامی زبانوں کو علمی زبان بنایا جائے۔

تیسرے مرحلے میں زیادہ تخصصی—اور تحقیقی انداز میں اردو نصابات کا Critical Discourse Analysis (CDA) کریں گے، یعنی یہ دیکھیں گے کہ:

- الفاظ،
- استعارے،
- کردار،
- imagery،
- framing،
- narrative structure،
- اور نصابی selection

کس طرح استعماری اور نو-استعماری ذہن سازی کرتے ہیں۔

یہ تجزیہ مندرجہ ذیل تصورات خصوصاً:

- Language as Power
- Mental Formation

- Cultural Reconstruction
- Ideological Control
- Linguistic Hierarchy
- Epistemological Domination

کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔

اردو نصاب کا Critical Discourse Analysis (CDA)

CDA کیا ہے؟

Critical Discourse Analysis کے مطابق:

زبان کبھی غیر جانبدار نہیں ہوتی۔

ہر نص:

- کسی worldview کو normalize کرتا ہے،
- کسی طاقت کے نظام کو reinforce کرتا ہے،
- اور کسی خاص identity کو تشکیل دیتا ہے۔

لہٰذا نصابی اردو کا سوال صرف grammar یا literature کا سوال نہیں

بلکہ:

“طاقت، تہذیب، علم اور شناخت” کا سوال ہے۔

اردو نصاب میں استعمال ہونے والی استعماری Discursive Strategies :

1۔ Framing Strategy

“ترقی یافتہ” بمقابلہ “روایتی”> “نصابی Pattern

بہت سے اردو اسباق میں ایک hidden binary بنائی جاتی ہے:

روایتی	جدید
جذباتی	سائنسی
دیہی	شہری
مقامی	انگریزی یافتہ
پسماندہ	ترقی یافتہ
مذہبی	rational
traditional	modern

نفسیاتی اثر:

اس framing سے طالب علم کے ذہن میں:

- "اپنی روایت = کم تر"
- "مغربی طرز = بہتر"

کا تصور بیٹھ جاتا ہے۔

یہ استعماریت کیوں ہے؟

یہی وہ تصور ہے جسے Edward Said نے "Orientalism" میں بیان کیا:

مغرب خود کو:

- rational
- civilized
- progressive

اور مشرق کو:

- irrational
- emotional

- backward

کے طور پر construct کرتا ہے۔

اسلامی متبادل Framing :

اسلامی و برصغیری تصور میں

- روایت ضدِ ترقی نہیں
- روحانیت ضدِ عقل نہیں
- دین ضدِ سائنس نہیں

بلکہ:

اخلاق + علم + روحانیت + عقل

ایک integrated انسانی تصور بناتے ہیں۔

2۔Character Construction Strategy

نصابی کرداروں کی ساخت:

بہت سے اردو نصابات میں

"مثالی کردار" اکثر:

- urban
- modernized
- professionally successful
- westernized behavior رکھنے والا

ہوتا ہے۔

جبکہ:

- دیندار کردار
- روایتی خاندان
- عالم
- مذہبی استاد
- روحانی شخصیت

کو اکثر marginal یا symbolic انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

نفسیاتی نتیجہ:

طالب علم کے subconscious میں:

"اصل کامیابی" = modern urban identity

بیٹھ جاتی ہے۔

Hidden Value Transfer:

یہاں نصاب خاموشی سے منتقل کرتا ہے:

قدر	hidden transfer
کامیابی	careerism
وقار	western polish
ذہانت	english fluency
آزادی	individualism
ترقی	secular modernity

3۔Linguistic Prestige Construction

یہ اردو نصاب میں سب سے خطرناک استعماریاتی mechanisms میں سے ایک ہے۔

طریقہ:

بظاہر اردو پڑھائی جاتی ہے، مگر

- elite vocabulary
- English insertion
- code-switching prestige
- urban elite tone

کے ذریعے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ:

"اصل sophistication انگریزی سے آتی ہے"

نتیجہ:

اس سے

- اردو defensive language بن جاتی ہے
- انگریزی aspirational language بن جاتی ہے

یہی linguistic colonialism ہے۔

حقیقت سے تعلق:

حقیقت یہ ہے کہ

Dominant language صرف communication نہیں بلکہ power structure ہوتی ہے۔

یہی structure اردو نصاب میں subtle انداز سے موجود ہے۔

4۔Selective Inclusion & Exclusion

کیا شامل کیا جاتا ہے؟

- modern essays
- liberal humanism
- westernized success models
- secular reform narratives

کیا exclude کیا جاتا ہے؟

- اسلامی تہذیبی فکر
- classical scholarship
- metaphysical worldview

- امتconsciousness
- traditional epistemology
- Islamic civilizational confidence

نتیجہ:
طالب علم سمجھتا ہے
"اصل intellectual tradition مغرب کی ہے"
جبکہ اپنی تہذیب:

- peripheral،
- emotional،
- یاoutdated

نظر آتی ہے۔

5۔Emotional Engineering
نصاب صرف ideas نہیں دیتا بلکہ emotions بھی shape کرتا ہے
مثلاً:

:Positive imagery

- modern cities
- western education
- corporate culture
- technological glamour

:Negative imagery

- دیہات = backward
- روایت = rigidity
- مذہبی ماحول = conservatism
- روایتی لباس = simplicity/backwardness

نتیجہ:

طالب علم emotionally detach ہو جاتا ہے

- اپنی زبان سے
- اپنی تہذیب سے

- اپنے ماضی سے
- اپنی دینی روایت سے

6۔Secularization Through Normalization

یہ بہت subtle mechanism ہے

نصاب openly مذہب reject نہیں کرتا۔

بلکہ:

- religion کو private corner میں رکھتا ہے
- practical life کو secular frame میں explain کرتا ہے

مثال:

اگر نصاب میں

- economy
- politics
- psychology

- sociology
- science
- literature

سب کچھ secular assumptions پر explain ہو،

اور:

- خدا،
- وحی،
- آخرت،
- divine purpose

غائب ہوں،

تو student implicitly secular worldview absorb کرتا ہے۔

یہی hidden secularization ہے

یہی وہ process ہے جسے حقیقت میں:

"Internalized Intellectual Framework"

کہا گیا ہے۔

7۔Temporal Colonialism

"ماضی = تاریکی، حال = روشنی"

یہ بھی ایک اہم discursive mechanism ہے۔

Pattern:

- قدیم = غیر ترقی یافتہ
- جدید = enlightened

نتیجہ:

طلبہ اپنے

- classical scholarship
- traditional wisdom
- اسلامی علمی سرمایہ

سے disconnect ہو جاتے ہیں۔

اسلامی متبادل:

اسلامی تصورِ تاریخ linear–progress myth پر قائم نہیں۔

بلکہ:

- اخلاقی عروج وزوال،
- علم،
- عدل،
- تقویٰ،
- تہذیبی توازن

کو معیار مانتا ہے۔

8۔Textbook Imagery & Semiotics

تصاویر بھی ideology منتقل کرتی ہیں

جدید نصابی کتب میں:

- western dress codes
- urban architecture
- globalized aesthetics

- nuclear family models

بار بار دکھائے جاتے ہیں۔

Semiotic Message:

یہ imagery quietly یہ پیغام دیتی ہے:

"یہی normal civilized life ہے"

جبکہ:

- traditional spaces،
- اسلامی aesthetics ،
- مقامی تہذیبی symbols

کم ہوتے جاتے ہیں۔

9۔ De-sacralization of Language

اردو کی روحانی جہت کمزور کرنا

کلاسیکی اردو ادب میں:

- خدا،
- عشقِ حقیقی،
- اخلاق،
- معرفت،
- روحانیت،
- امت،
- حکمت

مرکزی موضوعات تھے۔

جدید نصاب میں:

اردو کو

- communication skill،
- soft subject،
- entertainment literature

تک محدود کیا جارہا ہے۔

نتیجہ:

Language loses sacred depth.

یعنی زبان

- تہذیب سے،
- روحانیت سے،
- اخلاقی formation سے

کٹ جاتی ہے۔

Production of Colonial Subject۔10

یہ پورے نصابی نظام کا آخری نتیجہ ہے۔

نصاب کس انسان کو پیدا کر رہا ہے؟

ایسا انسان:

- جو اپنی تہذیب سے emotionally detached ہو
- انگریزی hierarchy قبول کرے
- مغرب کو معیار سمجھے

- دین کو private رکھے
- careerism کو ultimate goal سمجھے
- consumption-based identity رکھے
- global monoculture میں absorb ہو جائے

یہ وہی "colonial subject" ہے

جس کا ذکر:

- Fanon
- Ngũgĩ wa Thiong'o
- Edward Said

اور linguistics and colonialism میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

پاکستان و ہندوستان کے نصابات میں مشترک نو-استعماری رجحانات:

ہندوستان	پاکستان	رجحان
زیادہ شدید	موجود	سیکولر modernity
شدید	شدید	linguistic elitism

ہندوستان	پاکستان	رجحان
موجود	موجود	colonial bureaucracy mindset
موجود	موجود	western progress ideal
زیادہ	بعض جگہ	Islamic civilization marginalization
بڑھتے ہوئے	بڑھتے ہوئے	global neoliberal values
شدید	شدید	identity fragmentation

کیمبرج سسٹم اور اردو:

یہ خاص توجہ کا موضوع ہے۔

مسئلہ:

بعض Cambridge-oriented اردو curricula میں:

- اردو کو تہذیبی زبان نہیں

- بلکہ "second language utility"
کے طور پر treat کیا جاتا ہے۔

نتیجہ:

- اردو identity language نہیں رہتی
- صرف examination subject بن جاتی ہے

اسلامی-برصغیری متبادل:Islamized Urdu Curriculum Framework

اب سوال صرف تنقید نہیں بلکہ alternative کا ہے۔

بنیادی اصول:

1۔Tawhidi Epistemology

تمام علم کو خدا سے منقطع نہ کیا جائے۔

2۔Language as Civilization

اردو = تہذیبی حافظہ + علمی روایت + اخلاقی شعور

Integrated Human Model۔3

انسان:

- روح
- عقل
- اخلاق
- جسم
- معاشرہ

کا integrated وجود ہے۔

4۔ ادب بطورِ تزکیہ

ادب:

- character formation
- wisdom
- اخلاق

- تہذیب

کا ذریعہ ہو۔

5۔Critical Western Studies

مغرب کو:

- نہ demonize کیا جائے
- نہ blindly idealize

بلکہ:

- critical engagement

سکھائی جائے۔

مجوزہ نصابی ماڈیولز:

مقصد	Module
تہذیبی شعور	اردو اور تہذیب
linguistic awareness	زبان و استعمار

Module	مقصد
اسلامی ادب	روحانی و اخلاقی formation
تنقیدی مطالعۂ مغرب	epistemic balance
برصغیری علمی روایت	civilizational continuity
اقبال، شبلی، شاہ ولی اللہ	integrated intellectual tradition
میڈیا و زبان	discourse awareness
زبان اور شناخت	decolonial consciousness

مطلوبہ Outcome :

ایسا طالب علم جو

- اردو سے محبت رکھتا ہو
- انگریزی سے مرعوب نہ ہو
- مغرب کو critically سمجھے
- اسلامی تہذیب پر اعتماد رکھتا ہو
- جدید دنیا سے engage بھی کرے

- مگر اپنی شناخت نہ کھوئے

مجموعی تجزیاتی نتیجہ:

اردو نصاب محض language education نہیں بلکہ:

- identity formation،
- civilization transfer،
- epistemological orientation،
- اور power conditioning

کا نظام ہے۔

اگر اس کا decolonization نہ کیا گیا تو:

- زبان کمزور ہو گی،
- تہذیب fragmented ہو گی،
- اور ذہنی استعمار گہرا ہو گا۔

جبکہ اسلامی و برصغیری بنیادوں پر reconstructed اردو نصاب:

- فکری خود مختاری،
- تہذیبی اعتماد،

- اخلاقی توازن،
- اور علمی آزادی

پیدا کر سکتا ہے۔

اردو زبان، نصاب اور استعماریت: مزید پوشیدہ و گہری جہات:

اب تک کی بحث اردو زبان اور نصاب میں موجود استعماری، نو-استعماری اور تہذیبی اثرات کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے، لیکن اگر اس مسئلے کو مکمل تہذیبی، فکری، نفسیاتی اور تمدنی سطح پر سمجھنا ہو تو مزید کئی اہم جہات بھی زیرِ بحث لانا ضروری ہیں۔

یہ تمام جہات دراصل اس بڑے عمل کا حصہ ہیں جس میں زبان، نصاب، میڈیا، معیشت، نفسیات، ٹیکنالوجی اور تہذیب مل کر انسان کی فکر، شناخت، ترجیحات اور خواہشات کی تشکیل کرتے ہیں۔

1۔ نفسیاتی انجینئرنگ

استعمار صرف زمین یا وسائل پر قبضہ نہیں کرتا بلکہ انسان کی نفسیات کو بھی تشکیل دیتا ہے۔

نصاب، زبان اور ثقافتی ماحول کے ذریعے آہستہ آہستہ یہ احساس پیدا کیا جاتا ہے کہ:

- اپنی تہذیب کم تر ہے،
- اپنی زبان کمزور ہے،
- اپنی روایت غیر ترقی یافتہ ہے،
- اور ترقی صرف مغربی ماڈل میں موجود ہے۔

اس عمل کے ذریعے:

- احساسِ کمتری،
- ذہنی انحصار،
- تہذیبی شرمندگی،
- اور تقلیدی ذہن

پیدا ہوتے ہیں۔

یہی وہ کیفیت ہے جسے بعض مفکرین نے "Colonized Mind" کہا ہے۔

2۔ سرمایہ دارانہ نو–استعماری نظام

موجودہ تعلیمی و لسانی نظام صرف تہذیبی نہیں بلکہ معاشی اور سرمایہ دارانہ ساختت سے بھی جڑا ہوا ہے۔

آج تعلیم کو اکثر:

- ملازمت،
- مارکیٹ،
- پیداوار،
- اور معاشی کارکردگی

تک محدود کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح زبان کو بھی:

- تہذیبی امانت

کے بجائے

- Employability Tool

سمجھا جانے لگا ہے۔

اس تصور کے تحت:

- ادب "Soft Skill" بن جاتا ہے،
- علم "Market Commodity" بن جاتا ہے،

- اور انسان "Economic Unit" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

3۔ ڈیجیٹل استعمار

جدید دور میں استعمار کی ایک نئی شکل "Digital Colonialism" ہے۔

اب طاقت صرف فوج یا معیشت سے نہیں بلکہ:

- Search Engines،
- Artificial Intelligence،
- Social Media Algorithms،
- اور Digital Platforms

کے ذریعے قائم کی جاتی ہے۔

مثلاً:

- انگریزی مواد زیادہ نمایاں ہوتا ہے،
- اردو علمی مواد کم قابلِ رسائی ہوتا ہے،
- عالمی ڈیجیٹل نظام مغربی زبانوں اور تصورات کو ترجیح دیتا ہے۔

اس طرح علمی طاقت آہستہ آہستہ چند عالمی مراکز میں مرتکز ہو جاتی ہے۔

4۔ علمی و نصابی بیانیے کی این جی اوائزیشن

بعض اوقات نصاب میں تبدیلیاں براہِ راست استعمار کے نام سے نہیں بلکہ:

- Development،
- Peace Education،
- Civic Education،
- Gender Awareness،
- Human Rights

جیسے خوبصورت عنوانات کے تحت آتی ہیں۔

یہ تمام موضوعات بذاتِ خود لازماً غلط نہیں، لیکن مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب:

- ان کی تعبیر صرف مغربی فکری فریم ورک سے کی جائے،
- مقامی تہذیبی و دینی تناظر کو نظر انداز کر دیا جائے،
- اور ایک خاص عالمی نظریہ خاموشی سے universal truth کے طور پر پیش کیا جائے۔

5۔ مابعد جدید شناختی انتشار

جدید نصابات اور ادبی بیانیوں میں ایک رجحان یہ بھی ہے کہ:

- مستقل شناخت کو مشکوک بنایا جائے،
- مطلق حقیقت کا انکار کیا جائے،
- ہر فرد کی ذاتی تعبیر کو حتمی قرار دیا جائے،
- اور اخلاقی اقدار کو مکمل طور پر subjective بنادیا جائے۔

اس رجحان کے نتیجے میں:

- فکری انتشار،
- اخلاقی ابہام،
- تہذیبی بے سمتی،
- اور شناختی بحران

پیدا ہوتے ہیں۔

6۔ اجتماعی حافظے پر قبضہ

استعمار صرف حال پر نہیں بلکہ ماضی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

یہ طے کیا جاتا ہے کہ:

- کون ہیرو ہو گا،

- کون فراموش کر دیا جائے گا،
- کون سا واقعہ نمایاں ہو گا،
- کون سی علمی روایت خاموش کر دی جائے گی۔

اس عمل کے ذریعے ایک نئی تاریخی شعور سازی ہوتی ہے جس میں قوم اپنی اصل تہذیبی یادداشت سے دور ہو جاتی ہے۔

7۔ جمالیاتی استعمار

استعمار صرف فکر نہیں بلکہ حسن کے تصور کو بھی تبدیل کرتا ہے۔

مثلاً:

- خوبصورتی کے معیار،
- لباس،
- طرزِ گفتگو،
- تعمیرات،
- شہری ماحول،
- رہن سہن،
- اور طرزِ زندگی

سب کو ایک خاص تہذیبی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔

نتیجتاً:

- مقامی جمالیات کم تر محسوس ہونے لگتی ہیں،
- اور مغربی طرزِ حیات "Ideal Lifestyle" بن جاتا ہے۔

8۔ تقدس سے مادیت کی طرف منتقلی

روایتی اسلامی و برصغیری تصور میں:

- علم،
- زبان،
- ادب،
- انسان،
- کائنات،
- اور زندگی

سب ایک روحانی اور مقدس معنویت رکھتے تھے۔

مگر جدید سیکولر نصاب میں:

- دنیا کو صرف مادی زاویے سے دیکھا جاتا ہے،

- روحانیت کو حاشیے پر دھکیل دیا جاتا ہے،
- اور علم کو خدا سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

اس کے نتیجے میں:

- معنی کا بحران،
- روحانی خلا،
- اور وجودی اضطراب

پیدا ہوتا ہے۔

9۔ اطاعت گزار بیوروکریٹک ذہن کی تشکیل

استعماری تعلیمی نظام کا ایک اہم مقصد ایسے افراد پیدا کرنا تھا جو:

- سوال کم کریں،
- حکم زیادہ مانیں،
- تخلیقی سوچ سے دور رہیں،
- اور نظام کے مطیع رہیں۔

اسی لیے:

- رٹّا سسٹم،

- امتحان مرکزیت،
- تخلیقی صلاحیتوں کی کمی،
- اور Authority Obedience

جیسے رجحانات پیدا ہوئے۔

یہ اثرات آج بھی کئی تعلیمی نظاموں میں موجود ہیں۔

10۔ خود استعماری ذہنیت

یہ استعمار کا سب سے خطرناک مرحلہ ہے۔

جب کوئی قوم:

- خود اپنی زبان کو کمتر سمجھے،
- خود اپنی روایت پر شرمندہ ہو،
- خود مغربی معیار کو حتمی سمجھے،
- اور خود اپنی تہذیب سے دور ہو جائے،

تو استعمار بیرونی طاقت نہیں رہتا بلکہ انسان کے ذہن کے اندر منتقل ہو جاتا ہے۔

یہی "Self-Colonization" ہے۔

اہم علمی احتیاط:

یہ ضروری ہے کہ ہر مغربی چیز کو:

- سازش،
- یا استعمار

قرار نہ دیا جائے۔

دنیا کی مختلف تہذیبوں میں:

- علم،
- سائنس،
- ٹیکنالوجی،
- اور فکری تجربات

موجود ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ مغرب سے کچھ لیا جائے یا نہیں، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

کیا کسی تہذیب کو "واحد معیارِ حقیقت" بنا دیا جائے؟

متوازن اسلامی و تہذیبی رویہ:

ایک متوازن رویہ یہ ہوگا کہ:

- سائنس سیکھی جائے،
- زبانیں سیکھی جائیں،
- ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھایا جائے،
- عالمی دنیا سے رابطہ رکھا جائے،

مگر ساتھ ہی:

- فکری خودمختاری محفوظ رہے،
- تہذیبی اعتماد برقرار رہے،
- دینی و اخلاقی بنیادیں مضبوط رہیں،
- اور اپنی زبان و روایت کو کمتر نہ سمجھا جائے۔

اصل مسئلہ: علمی مرکزیت:

اس پوری بحث کا بنیادی سوال یہ ہے کہ

- علم کی تعریف کون کرے گا؟
- ترقی کا معیار کون طے کرے گا؟
- انسان کی حقیقت کیا ہے؟

- کامیابی کیا ہے؟
- اخلاق کا منبع کیا ہے؟
- تہذیب کی بنیاد کیا ہے؟

اگر ان تمام سوالات کے جواب صرف ایک تہذیب سے آئیں گے تو عالمی توازن ختم ہو جائے گا اور فکری استعمار پیدا ہو گا۔

مزید تحقیقی جہات:

اگر اس موضوع کو مکمل تہذیبی سطح پر آگے بڑھایا جائے تو مزید درج ذیل موضوعات بھی شامل کیے جا سکتے ہیں:

کیفیت	موضوع
زیرِ بحث	لسانی استعمار
زیرِ بحث	نصابی استعمار
زیرِ بحث	مخفی نصاب
جزوی	نفسیاتی انجینئرنگ
ابتدائی سطح	ڈیجیٹل استعمار

کیفیت	موضوع
مزید تحقیق طلب	مصنوعی ذہانت اور زبان
جزوی	سرمایہ دارانہ تہذیبی اثرات
ابتدائی	این جی او بیانیہ
جزوی	مابعد جدید انتشار
جزوی	اجتماعی حافظے پر قبضہ
جزوی	جمالیاتی استعمار
ابتدائی	اسلامی علمیات
ابتدائی	تہذیبی تعمیرِ نو
مزید تحقیق طلب	تدریسی تعمیرِ نو
مزید تحقیق طلب	اساتذہ کی فکری تشکیل
مزید تحقیق طلب	امتحانی نظام کا استعمار
مزید تحقیق طلب	تحقیقی مناہج کی استعماریت

مجموعی نتیجہ:

اردو زبان اور اس کے نصاب کا مسئلہ صرف زبان یا ادب کا مسئلہ نہیں بلکہ:

- تہذیب،
- علم،
- نفسیات،
- معیشت،
- طاقت،
- شناخت،
- اور انسان کی فکری تشکیل

کا مسئلہ ہے۔

لہٰذا اس کا حل بھی محض لسانی اصلاحات سے نہیں بلکہ:

- فکری خود مختاری،
- اسلامی علمیات،
- تہذیبی اعتماد،
- نصابی تعمیرِ نو،
- اور علمی آزادی

کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

اختتامیہ:

اردو زبان محض ابلاغ کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک تاریخ، ایک اجتماعی حافظہ اور ایک فکری روایت کی امین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تدریس اور نصاب کو صرف ادبی یا لسانی زاویے سے نہیں بلکہ تہذیبی، فکری، نفسیاتی اور تعلیمی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس دستاویز میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ استعماری اور نو-استعماری قوتیں محض سیاسی یا معاشی غلبے پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ زبان، نصاب، ادب، تاریخ اور تعلیمی تصورات کے ذریعے انسان کے شعور، شناخت، اقدار اور ترجیحات کو بھی بتدریج تشکیل دیتی ہیں۔ اس لیے اردو کی تدریس کا مسئلہ صرف زبان سکھانے کا مسئلہ نہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے فکری و تہذیبی تشخص کی حفاظت کا مسئلہ بھی ہے۔

یہ مطالعہ کسی تہذیب یا علمی روایت کی نفی کے لیے نہیں بلکہ اس شعور کی بیداری کے لیے پیش کیا گیا ہے کہ ہر نصاب اپنے اندر ایک مخصوص تصورِ انسان، تصورِ علم اور تصورِ معاشرہ رکھتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے

کہ اردو کی تدریس کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے جو قرآن و سنت، اسلامی علمیات، برصغیر کی علمی و ادبی روایت، اخلاقی تربیت، تنقیدی فکر اور متوازن عالمی شعور کو یکجا کر سکیں۔ یہی طرزِ فکر ایک ایسے تعلیمی نظام کی تشکیل میں معاون ہو سکتا ہے جو طلبہ میں اپنی زبان، اپنی تہذیب، اپنی دینی شناخت اور اپنی علمی خود مختاری پر اعتماد پیدا کرے، ساتھ ہی انہیں جدید دنیا سے مثبت، باشعور اور تنقیدی انداز میں تعامل کرنے کے قابل بھی بنائے۔

اگر اردو کی تدریس کو اس جامع تناظر میں از سرِ نو مرتب کیا جائے تو یہ محض ایک درسی مضمون نہیں رہے گی بلکہ انسان سازی، کردار سازی، تہذیبی استحکام اور فکری آزادی کا مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے۔ یہی وہ سمت ہے جو اردو زبان کو اس کے حقیقی مقام سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اسے مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک زندہ، بامقصد اور تمدنی قوت میں تبدیل کر سکتی ہے۔

کیا نصاب واقعی غیر جانبدار ہوتا ہے؟ کیا اردو صرف ایک زبان ہے، یا وہ ایک تہذیب، ایک فکر اور ایک اجتماعی شعور کی امین بھی ہے؟ یہ کتاب اردو کی تدریس اور نصاب کا محض ادبی یا لسانی جائزہ نہیں لیتی بلکہ اس میں استعماری اور نو-استعماری فکری رجحانات، ان کے پوشیدہ اثرات اور ان کے اسلامی و برصغیری متبادل کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ یہ تصنیف اساتذہ، نصاب سازوں، محققین، طلبہ اور ہر اس قاری کے لیے ایک اہم علمی سرمایہ ہے جو تعلیم، زبان اور تہذیب کے باہمی تعلق کو گہرائی سے سمجھنا چاہتا ہے۔